اَنّ پُورنا کا مَندر

مُصنّفہ

شریمتی نروپما دیوی کماری

جس کو

پروفیسر رام سروپ کوشل ایم آر۔ اے۔ ایس

مترجم شاہ جہان، پرتھوی راج، نپولین بوناپارٹ وغیرہ نے

بنگالی زبان سے ترجمہ کیا

سنہ ۱۹۲۷ء

ادارۂ اشاعت پنجاب لاہور

"اَن پورنا دیوی کا مندر" جو اس وقت ناظرین کے ہاتھوں میں ہے۔ بنگال کی مشہور ناول نویس شریمتی برڑاپما دیوی کے ایک نہایت ہی اعلیٰ - اخلاقی اور سبق آموز ناول کا اُردو ترجمہ ہے + اصلی کتاب بنگال میں اس قدر مقبول عام ہوئی۔ کہ ہزاروں جلدیں ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو گئیں۔ اور اس قدر مفید اور دلچسپ سمجھی گئی۔ کہ اس کا ترجمہ انگریزی میں شائع کیا گیا +

امپیریل لائبریری (شاہی کتب خانہ) کلکتہ کے مترجم شری یُت بابو سرت چندر سین کی رائے ہے۔ کہ موجودہ زمانہ کے بنگالی ناول نویسوں میں سے کسی نے اس سے بہتر ناول نہیں لکھا +

میرا خیال ہے "اَن پورنا کا مندر" کا مطالعہ عورتوں اور لڑکیوں کے لئے بھی کچھ کم مفید ثابت نہ ہوگا +

ترجمہ میں حتی الوسع ناول کی تمام خوبیاں برقرار رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اور اس کی زبان کو بے تکلف اور عام فہم بنانے میں مَیں نے کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا یقین ہے اُردو داں حضرات اِسے مناسب قدر دانی کی نگاہ سے دیکھیں گے +

نیازمند

رام سروپ کوشل مترجم

کماخیا د

"اَنّ پُورنا کا مَنْدر"

پہلا باب

گاؤں کے قریب ہی ایک صاف شفاف پانی کی ندی بہتی ہے + گرمی کا موسم ہونے کے سبب اگرچہ اُس کا پاٹ بہت چھوٹا رہ گیا ہے۔ لیکن پانی پھر بھی بڑی تیزی سے بہ رہا ہے۔ عین ندی کے کنارے پر بابو لوگوں کا باغ ہے۔ جس میں ناریل اور تاڑ کے درخت اپنے سر آسمان سے ملائے چُپ چاپ کھڑے ہیں۔ اور کبھی کبھی ٹھنڈی ٹھنڈی نسیم کے ہلکے ہلکے جھونکوں سے بیدار ہوکر سہلانے لگتے ہیں + شوجی کا مندر درختوں کے جھنڈ میں بالکل چھپ گیا ہے۔ صرف اُس کے اوپر لگا ہوا پیتل کا ترشول مغرب کی طرف دوڑتے ہوئے سورج کی سُرخ کرنوں سے چمکتا دکھائی دیتا ہے +

ابھی سویرا ہے۔ لوگوں کی آمد و رفت شروع نہیں ہوئی۔ صرف ایک لڑکی بابو لوگوں کے تعمیر کرائے ہوئے پختہ گھاٹ کی چکنی اور چوڑی سیڑھیوں پر

سے نیچے اُتر رہی ہے ۔ اُس کی بغل میں ایک پیتل کی گاگر اور کندھے پر دھوتی اور تولیہ ہے + آخری سیڑھی پر پہنچ کر لڑکی نے ایک دفعہ چاروں طرف دیکھا اور پھر ایک لحظہ کے لئے چپ چاپ کھڑی رہی ۔ ایسا معلوم ہوتا تھا گویا کسی کا انتظار کر رہی ہے +

وہ جس کی راہ دیکھ رہی تھی ۔ اُسے آتا نہ دیکھ کر اُس نے کپڑے اُتار کر گھاٹ پر رکھ دئے ۔ اور خود پانی میں اُتر گئی + ندی میں جا کر کچھ بے دلی سے پانی مُنہ میں لے لے کر کُلیاں کرنے لگی + اس وقت ایک اور لڑکی گھاٹ پر آ کھڑی ہوئی + پہلی لڑکی کو اس طرح ہمہ تن محو دیکھ کر وہ آہستہ آہستہ سیڑھیاں طے کر کے نیچے اُتری + آہٹ پاتے ہی پہلی لڑکی چونک اُٹھی + پیچھے کی طرف مڑ کر دیکھا ۔ اور ہنس کر کہا :" میں تو سہم گئی تھی !"

دوسری لڑکی نے طعنہ آمیز جواب دیا :" بھلا ڈرتی کیوں نہ ؟ تم ایسی ہی بھولی بھالی نادان لڑکی تو ہو ! ایسی محو ہو گئیں ۔ کہ میرے آنے تک کی تمہیں خبر نہ ہوئی ۔ کب سے آئی بیٹھی ہو ؟"

پہلی لڑکی :" ابھی آئی ہوں ۔ آج تمہیں اتنی دیر کیوں ہوئی ؟ پہلے تو تم جلدی آجایا کرتی تھیں "۔

" دیر کا سبب بتلاؤں گی ۔ مگر پہلے تم یہ بتلاؤ ۔ کہ کیا سوچنے میں مشغول تھیں ؟"
پہلی لڑکی نے مُسکرا کر جواب دیا :" اور بھلا کیا سوچوں گی ؟"
" کیا ؟ کیا ؟" کہ کر دوسری لڑکی نے اپنی سہیلی کے جسم پر پانی کے چھینٹے دئے ۔ مگر وہ پھر بھی اپنا کپڑا دھوتی رہی ۔ یہ دیکھ کر دوسری نے اُس کا کپڑا کھینچ لیا اور کہا

"بتلاؤ۔ تمہیں بتلانا ہی پڑے گا؟"۔

پہلی لڑکی نے کچھ خفا ہو کر کہا "اوہ! یہ کیا کر رہی ہو؟ چھوڑو بھی" +

دوسری نے کپڑا چھوڑ دیا۔ اور غرور سے مُنہ پھیر کر کھڑی ہو گئی +

پہلی لڑکی کو اپنے کئے پر تاسف ہوا۔ اور کہنے لگی "سہیلی! تم تو ذرا سی بات میں ناراض ہو جاتی ہو۔ یہ نہیں مناسب۔ خیر جانے دو۔ مجھ سے قصور ہو گیا معاف کر دو۔ جو پوچھنا ہو پوچھو۔ میں سب بتلاؤں گی" +

دوسری۔ میں تو یہی پوچھتی ہوں۔ کہ تم آج کیا سوچ رہی ہو؟

پہلی "کوئی نئی بات تو ہے نہیں۔ ہمارے گھر کی کوئی بات تم سے پوشیدہ نہیں ہے۔ پھر بار بار پوچھ کر مجھے کیوں شرمندہ کرتی ہو"؟

دوسری لڑکی لاپروائی سے ہنس کر بولی "بس یہی تکلیف ہے؟ میں نے خیال کیا کہ شاید........"

پہلی۔ بے شک ساتھن! ایسی باتیں تم نہ کہو گی۔ تو اَور کون کہے گا +

دوسری لڑکی بات کاٹ کر بول اُٹھی "اگر تمہیں میری طرح فکر ہوتا۔ تو نہ معلوم کیا کرتیں۔ لیکن میں تمہاری طرح سوکھ کر کانٹا نہیں ہوئی" +

پہلی لڑکی نے دوسری کے چہرہ کی طرف اپنی بڑی بڑی چمک دار آنکھیں پھیریں + اُس وقت ایسا معلوم ہوتا تھا۔ گویا کسی قابل مصوّر نے قدرت کی خوبصورتی کو دوبالا کرنے کے لئے ایک نہایت قبول صورت تصویر لاکر ندی کے درمیان میں کھڑی کر دی ہے + ہوا کے ہلکے ہلکے جھونکوں سے اُس کے سر کے دو چار بکھرے ہوئے بال اُس کے رخساروں پر اِدھر اُدھر بل کھا رہے

تھے - ندی نے اپنے نیلے شفاف آئینہ پر اُس کی تصویر نقش کر دی تھی - شام کے سورج کی چمکدار کرنوں نے اس منظر کی خوبصورتی کو دوبالا کر دیا تھا - قسمت کے دیوتا کے دل میں رحم ہے یا نہیں - مگر نیچر کا دل ہمیشہ شفقت و عنایت سے بھرپور رہتا ہے +

لڑکی نے میٹھے لہجہ میں جواب دیا "کملا! بھلا تمہیں کیا تکلیف ہوتی ؟ تم تو بڑے خاندان کی لڑکی ہو - ہر طرح کا آرام میسر ہے - روپیہ پیسہ ہے - مال و متاع ہے - ماں باپ بھائی بہن عزیز و اقارب سب ہی آسودہ حال اور خوش مزاج ہیں - اُن کی ڈانٹ ڈپٹ - لعنت ملامت تمہیں برداشت نہیں کرنی پڑتی - تمہیں یہ معلوم بھی نہیں کہ تکلیف کہتے کس جانور کو ہیں - پھر بھلا تمہیں کون سا دُکھ ہے" ؟

"مجھے کوئی دُکھ ہو ہی نہیں سکتا ؟ دُنیا میں غریب مفلس ہونا ہی سب دُکھوں سے بڑھ کر ہے" ؟

لڑکی یہ بات برداشت نہ کر سکی اور بولی " یہ میں کیسے کہوں" ؟

یہ اُس کی طبیعت کے خلاف تھا کہ اپنی غریبی کا دُکھڑا ہر کس و ناکس کو سُناتی پھرے - اس لئے وہ خاموش ہو گئی +

کملا بولی " ستی! ذرا غور تو کرو - اور سب تکلیفیں تو آسانی سے دُور ہو سکتی ہیں - مگر جس کا دل دُکھی ہے - اُس کا دُکھ کیسے دور ہوتا ہے" +

ستی مصنوعی ہنسی ہنس کر بولی - معلوم ہوتا ہے تمہیں بھی کوئی اندرونی (دلی) تکلیف ہے +

"میں تو بڑے گھر کی لڑکی ہوں۔ مجھے تکلیف کیوں ہو گی"؟
"بہن صاف صاف کہو بھی۔ کیا بات ہے۔ میں جو کچھ کہہ بیٹھی اُسے اب بھول بھی جاؤ۔ غلطی ہوئی"+
"تمہیں تو شاید معلوم ہو۔ میری شادی ہونے والی ہے" +
"شادی! کب"؟
"ایک دو مہینے کے اندر اندر ہو جائے گی۔ مگر یہ مت پوچھنا۔ کس کے ساتھ ہوگی"+
ستی مسکرا کر بولی "مجھے معلوم ہے۔ بشو بھائی کے ساتھ نہ"؟
کملا "نہیں بہن۔ ایسا ہوتا تو پھر فکر ہی کاہے کا تھا۔ آج اور جگہ ٹھیری ہے"+
ستی چونک پڑی۔ اور بڑی حیرت سے بولی "تم تو اب تک کہا کرتی تھیں بشو بھائی کے سوا اور کسی سے ہرگز شادی نہ کروں گی۔ پھر یہ کیا ہوا؟ تمہارے ماں باپ کی رائے وہاں شادی کرنے کی نہیں ہے"؟
کملا "وہاں کے متعلق کبھی بات ہی نہیں ہوئی۔ اُن بیچاروں کا اس میں کیا قصور"؟
ستی "تو پھر معلوم ہوتا ہے۔ تم اپنے ہی دل سے ایسی ایسی باتیں کہا کرتی تھیں۔ چھی! کیسی شرم کی بات ہے؟ بہن! اگر کوئی سُنے گا تو کیا کہے گا"؟
کملا "میں تو شرم و حیا کرتے کرتے مر گئی۔ جب میری یہی آرزو ہے۔ تو پھر بھلا کیسے نہ کہوں"؟
ستی "پھر اب کیا کرو گی؟ معلوم ہوتا ہے۔ ماں باپ کے سامنے اپنے

دل کی سب باتیں تمہیں صاف صاف کہنی پڑیں گی" +

کملا "میں بھی یہی سوچتی ہوں۔ لیکن پہلے اُن کا دِل بھی تو ٹٹول لینا چاہئے اسی بات کی سب سے بڑھ کر ضرورت ہے۔ مگر اُن کے دل کا حال کیسے معلوم کروں"؟

ستی نے کملا کے مُنہ کی طرف دیکھا۔ اور حیران ہو کر بولی "کس کے دل کا حال معلوم کرنا ضروری ہے؟ بِشنو بھائی کے دل کا؟ ہِش! بہن۔ تمہارا بھی بڑا حوصلہ ہے۔ ایسی شرم کی بات تمہارے مُنہ سے کیونکر نکلتی ہے"؟

کملا نے حیرت اور لاپروائی کے لہجہ میں جواب دیا۔ "اِس کے سوا چارہ ہی کیا ہے؟ معلوم ہوتا ہے۔ تم نے آج تک کوئی کتاب نہیں پڑھی" +

ستی ذرا اُداس ہو کر بولی "رامائن تو ہمیشہ پڑھا کرتی ہوں" +

کملا مضحکہ آمیز ہنسی ہنس کر بولی "بس رامائن میں ہی ساری دُنیا کا علم ختم ہو گیا! خیر۔ یہ باتیں چھوڑو۔ آج گھومتی پھرتی ذرا میری طرف بھی آجاؤ گی؟ میں تمہیں بہت عمدہ عمدہ کتابیں پڑھنے کے لئے دونگی۔ میرے پاس بہت کتابیں موجود ہیں" +

ستی تھوڑی دیر تک خاموش رہی۔ اُس کے دل میں یہ خیال آیا۔ میری اور کملا کی حالت میں کتنا فرق ہے۔ بڑی ہمت کر کے اُس نے جواب دیا "نہیں۔ مجھے کتابیں نہیں چاہئیں" +

"کتابیں نہ لوگی تو نہ سہی۔ لیکن گھر تو آؤ گی نہ؟"

"یہ بھی نہیں کہہ سکتی۔ اگر تائی کچھ بک جھک نہ کریں گی تو ضرور آؤں گی" +

"تمہاری ماں تو بہت بھلی ہے۔ تائی اتنی بدمزاج کیوں ہے"؟

"معلوم نہیں۔ اچھا لو اب چلتی ہوں۔ رستے میں بڑی بھیڑ ہو گئی ہے"+

دونوں سہیلیاں جلدی جلدی سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آئیں۔ کملا نے دیکھا۔ ستی کو گھڑا اٹھانے میں تکلیف ہوتی ہے۔ کہنے لگی "اتنا بڑا گھڑا کیوں لائی تھی؟ ذرا چھوٹا لے آیا کرو"+

"یہ نہ لاؤں تو کام کس طرح چلے"؟

"کام کیوں نہ چلتا؟ تمہاری ماں یا تائی لے جایا کریں"+

"جو کام وہ کر سکتی ہیں وہ میں کیوں نہیں کر سکتی"؟

"اور تمہاری بہن ساوتری ہے۔ وہ بھی تو لے جا سکتی ہے"+

"وہ تو ابھی ذرا سی ہے"+

کملا ہونٹ پھلا کر بولی "اوہو! ایسی ننھی نادان ہے! زیادہ سے زیادہ تم سے ایک دو سال چھوٹی ہو گی"؟

"سہیلی! ایسی باتیں مت کہو۔ اس میں مجھ سے زیادہ برداشت ہے۔ یاد رکھو ایسی لڑکی تمہارے جیسے بڑے آدمیوں کے گھروں میں ہونی ناممکن ہے۔ چھوٹے بھائی کی ساری شوخیاں۔ دنگے برداشت کرتی ہے۔ بڑے بھائی کی جھڑکیاں سہتی ہے۔ تائی کی تمام بک بک جھک جھک سن کر بھی کچھ نہیں بولتی۔ پتاجی کے سب احکام کی تعمیل کرتی ہے۔ مجھ سے تو اس کا عشر عشیر بھی نہیں ہو سکتا۔ ہاں چونکہ غریب کی بیٹی ہے۔ اس لئے اس کے گنوں پر کسی کی نظر نہیں جاتی"+

کملا کچھ چڑ گئی اور خاموش ہو رہی + ستی کے ساتھ اس کا ایک عجیب قسم کا تعلق تھا۔ اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ وہ ستی کو تکلیف دینے کے لئے کوئی بات نہیں کہتی۔ صرف اپنی عادت کے ہاتھوں مجبور ہے + یہی وجہ ہے۔ کہ اُس کی زبان سے کبھی کبھی غرور کی باتیں نکل جاتی ہیں + ستی بھی چپ ہو کر اُس کی باتیں نہیں سن لیتی۔ وہ بھی کملا کو دو چار کھری کھوٹی سنا ہی دیتی ہے۔ اگر کوئی بے انصافی کی بات کہے۔ تو وہ سُن کر چپ ہو رہنے والی نہیں ہے + اس طرح دونوں میں ہمیشہ نوک جھونک۔ چھیڑ چھاڑ جاری رہتی تھی۔ مگر پھر بھی وہ ایک دوسری سے زیادہ دیر تک ناراض نہیں رہتی تھیں +

کملا ناراض بھی ہوئی۔ کھسیانی بھی ہو گئی۔ مگر بہت دیر تک چپ نہ رہ سکی اور بولی "خیر۔ جانے دو۔ میں نے تمہیں غریب سمجھ کر ہی ایسا کہہ دیا۔ مگر تم بھی تو منہ توڑ جواب دینے میں کچھ کم نہیں" +

ستی نے اُس کی طرف تاکا اور مسکرا کر بولی "تم بھی دو چار کیوں نہیں سنا دیتیں"؟

"بھلا میں تم سے کب جیت سکتی ہوں؟ خیر! یہ تو بتاؤ تم ہمارے گھر کب آؤ گی"؟

"کسی دن ضرور آؤں گی" +

"یہ نہیں ہو سکتا۔ تم سے بہت سی باتوں میں مشورہ کرنا ہے۔ تمہارے آئے بغیر گزارہ نہ ہو گا۔ جتنی جلدی ہو سکے آنا۔ سمجھیں"؟

"اچھا۔ آؤں گی" +

کملا تارا پور کے زمینداروں کے مشہور خاندان کی لڑکی ہے۔ بڑے بابو کی بڑی لاڈلی بیٹی ہے۔ اور اس نے بڑے آرام و آسایش میں پرورش پائی ہے + یہ نہیں بتلایا جا سکتا کہ غریب برہمن رام شنکر بھٹا چاریہ کی بیٹی ستی کے ساتھ کیوں اُس کی اتنی گہری دوستی ہوگئی ہے + واقعی غریب کے ساتھ امیر کی میل محبت کا حال سُن کر سب حیران ہوتے ہیں۔ ستی کے ساتھ دوستی رکھنے کے سبب کملا کے گھر کے لوگ اُسے بہت کچھ بُرا بھلا کہتے تھے۔ اور ستی کے گھر والے بھی اس تعلق کے خلاف تھے + اِس بات کا دونوں گھروں میں ذکر ہوتا رہتا تھا۔ مگر ان سب باتوں کے باوجود بھی وہ ایک دوسری کو نہ چھوڑتی تھیں + کملا کی عمر اس وقت تیرہ سال کی ہے۔ اور ستی کی بارہ سال کی۔ مگر اُن دونوں کا پریم اب تک بدستور جاری ہے +

کملا گھر پہنچ کر چارپائی پر لیٹ گئی۔ شادی قرار پا جانے کا فیصلہ سُن کر اُس کے دل پر بڑی چوٹ لگی تھی۔ اور وہ اُداس تھی + تین سال سے وہ لگاتار اپنی شادی کے متعلق ہی سوچ رہی ہے۔ جس روز نہاتے وقت وہ کنارے سے کچھ دُور بہ کر چلی گئی تھی۔ اس روز بشویشور نے ہی اُسے پانی سے باہر نکالا تھا۔ یہ بات ستی کے سوا اور کسی کو بھی معلوم نہ تھی + اس واقعہ کے بعد کملا کو ہمیشہ ایک ہی خیال آتا رہا۔ بشویشور خوبصورت ہے۔ نوجوان ہے۔ اپنی ذات برادری کا ہے۔ اور ابھی تک کنوارا ہے + وہ بھی امیر کی لاڈلی بیٹی ہے۔ قبول صورت ہے۔ اور کنواری ہے + ایسی حالت میں پہلے پریم اور بعد ازاں شادی کی امید لازمی امر تھا۔ اگرچہ مُنہ کیوں کہ ایک نے

دوسرے پر اس پریم کا اظہار نہ کیا تھا۔ کیونکہ بشوبشور کا گھر بہت دور ہے
اُس کے ہاں آس کی آمد و رفت بھی نہیں ہے اور مذکورہ بالا واقعہ کے بعد
انہوں نے کبھی ایک دوسرے کو نہیں دیکھا۔ مگر پھر بھی کملا اس سے محبت
کرنے پر مجبور رہے۔ اُسے پیار کرنا ہی چاہیئے + وہ پیار کرتی بھی ہے۔ پھر بھلا
بشوبشور اُسے کیوں نہ پیار کریں گے؟ اگرچہ شادی کے متعلق بات چیت
ہو رہی ہے۔ اور اُس میں بشوبشور کا کبھی نام بھی نہیں آتا۔ تاہم اس سے
کیا؟ ایسا بہت سی کتابوں میں لکھا دیکھا ہے۔ کہ پہلے تو ایسا معلوم ہوتا ہے
جدائی قیامت تک رہے گی۔ مگر پھر کسی نہ کسی طرح سے میل ہو ہی جاتا ہے
جس کتاب میں ایسا ملاپ نہیں ہوتا۔ اُس کے مصنف کو کملا دل کھول کر
گالیاں دیتی ہے۔ اور زندگی کے ڈرامے کا ایسا انجام دیکھنا وہ پسند
نہیں کرتی +

کملا پڑی پڑی نہیں معلوم کتنی باتیں سوچتی رہی۔ ماں اُسے کھانا کھانے
کے لئے بُلانے آئی۔ مگر کملا نے اُسے واپس بھیج دیا۔ اور اندر سے دروازہ
بند کر لیا + ایک نیا ناول آیا تھا۔ اُسے کھول کر اُس نے جلدی جلدی
ورق اُلٹے۔ اور اُس کا آخری باب دیکھا۔ ہیرو۔ اور ہیروین دونوں
بڑے مزے سے کاروبار خانہ داری چلا رہے ہیں۔ بڑے آرام کے ساتھ
گرہست کی زندگی بھوگ رہے ہیں۔ اطمینان کا گہرا سانس لے کر کملا چار
پائی پر لیٹے لیٹے ناول پڑھنے لگی + پڑھتے پڑھتے وہ اُس میں ہمہ تن محو ہو گئی۔
ہیرو۔ اور ہیروین کے دُکھ سے دُکھی ہو کر وہ آخر سو گئی + کتاب اس کی چھاتی پر

ہی پڑی رہی۔ لیکن ناول پڑھتے پڑھتے اُسے کب اور کس طرح نیند آگئی۔
یہ بات اُسے اس وقت ذرا بھی یاد نہ آئی۔ جب اُس کی ماں نے آکر باہر سے
دروازہ کھٹکھٹایا۔ اور کملا کو سوتے سے جگا دیا +

دوسرا باب

دِن نکلا ہی ہے۔ رام شنکر بھٹاچاریہ (جن پر قبل از وقت بڑھاپا چھا گیا ہے)
اپنے خستہ و شکستہ مکان کے دروازہ پر بیٹھے حقہ پی رہے ہیں + قریب ہی ایک
مینا کا پنجرہ لٹک رہا ہے۔ مینا ابھی سو کر اُٹھی ہے۔ اور رام! رام!! ہرے
کرشن، ہرے کرشن!! پُکار رہی ہے۔ اور ساتھ ہی بھٹاچاریہ جی کے کھانسنے
کی نقل کرتی جاتی ہے + چھپر کے قدیم رسوئی گھر کے پاس کوڑا کرکٹ اور راکھ کی
ڈھیری پر ایک کُتا بڑا اخراٹے لے رہا ہے + صحن میں آم کے درخت کے نیچے
کھونٹے سے بندھی ہوئی گائے اپنے بچھڑے کے جسم کو چاٹ رہی ہے۔ چاروں
طرف پوری پوری شانتی کا راج ہے + صحن کے ایک کونے میں کھڑے ہوئے
کیلے کے پتوں کو ہوا کے ہلکے ہلکے جھونکے ہلا رہے ہیں + بھٹاچاریہ جی اپنے
دل میں اس بات پر غور کر رہے ہیں۔ کہ جب قدرت کی ہر ایک چیز ایسی
بے فکر اور مُستقل ہے۔ تو انسان ہی اتنا مضطرب اور چنچل کیوں ہے؟ پرندہ
مزے سے بولتا اور نقل کرتا ہے۔ گائے بچے کو پیار کرتی ہے۔ کُتا مزے
سے پڑا سوتا رہتا ہے۔ اِن کے دلوں میں ذرا بھی فکر نہیں فکر کا نام و نشان

تک نظر نہیں آتا۔ یہ بھی کھاتے پیتے ہیں۔ اور اپنا پیٹ بھرتے ہیں۔ مگر انہیں اپنے پیٹ کی خاطر ہمیشہ کی سخت کشمکش کا شکار نہیں ہونا پڑتا۔ ممکن ہے وہ اس لئے بے فکر رہتے ہوں۔ کہ جب انسان کو اُن کا خیال ہے۔ تو پھر انہیں خواہ مخواہ گھبرانے کی کیا ضرورت۔ اسی طرح اگر آدمی کے لئے کوئی اور فکر کرنے والا موجود ہوتا۔ تو کیا خوب ہوتا! صرف آدمی کو ہی خود اپنا پیٹ پالنے کی فکر کیوں کرنی پڑتی ہے؟ دُنیا میں ایسی طرف داری اور بے انصافی کیوں ہے؟ جس انسان سے اس کی شان قائم ہے۔ اور جو اُس کے لئے موجب ناز اور مایۂ فخر ہے۔ اُسی پر یہ بے رحمانہ سلوک کیوں روا رکھا جاتا ہے؟

بھٹاچاریہ جی نے سوچتے سوچتے حقہ کے دھوئیں کا ایک خوبصورت دائرہ بنا دیا۔ عین اُسی وقت ٹوٹے پھوٹے مکان کا دروازہ کھول کر ایک عورت باہر آئی۔ اُس کے بدن پر ایک سُرخ رنگ کی باریک ساڑھی اور ہاتھوں میں سفید رنگ کی کانچ کی چوڑیاں تھیں۔ ماتھے پر سیندور کی بندی زیب دے رہی تھی۔ اس کی پوشاک بس یہی تھی۔ مگر اُس کی سادگی نے اس مقام کی خوب صورتی کو دوبالا کر دیا تھا۔ اُس عورت نے کوئیں سے پانی نکال کر گھر کے دروازہ پر اور باہر اندر چھڑک دیا۔ اور صاف سُتھرے تُلسی کے چبوترے کو اپنے ہاتھ سے لیپ دیا۔ اس کے بعد اُس نے ہاتھ دھوئے اور ایک لوٹا پانی سے بھر کر اور داتن لا کر اپنے سوامی کے آگے رکھ دی اور بولی:۔ ”اتنی جلدی کیوں اُٹھ بیٹھے؟ رات آپ کی چھاتی میں درد تھا۔ اب اتنی سردی کیوں کھا رہے ہو؟“

بھٹاچاریہ جی بگڑ کر بولے :- جائے جہنم میں چھاتی کا درد! اگر موت ہی آجاتی تو سمجھتا کہ آفت ٹلی ۔ مرے بغیر مجھے چھٹکارا نصیب نہیں ہو سکتا" +

شریف سی عورت کے دل پر چوٹ لگی ۔ اور وہ خاموش کھڑی رہ گئی +

بھٹاچاریہ جی اس طرف سے نظر ہٹا کر آم کی طرف دیکھنے لگے ۔ عورت نے آہستگی سے کہا :- "منہ ہاتھ دھو لو" +

"منہ ہاتھ پیچھے دھوؤں گا ۔ پہلے یہ بتلاؤ گھر میں کھانے کے لئے دال چاول بھی موجود ہیں یا نہیں"؟

عورت نے سر ہلا دیا ۔ سوامی تیز ہو کر بولے :- "زمین بیچ کر جو روپیہ ہمیں ملا تھا ۔ سب کا سب ختم ہو گیا"؟

"روپیہ ہی کتنا تھا؟ تین مہینے اسی سے گزارہ کیا ہے ۔ اور کتنے روز تک چلتا"؟

"اگر نہیں چلتا ۔ تو پھر میں کیا کروں؟ اب چوری کروں یا بھیک مانگ کر لاؤں"؟

عورت نے اُن کی اس بات کا کوئی جواب نہ دیا ۔ اور اپنی آنکھوں کے آنسو پونچھ لئے + بھٹاچاریہ جی بولے :- "تم لوگوں کو تو صرف رونا ہی آتا ہے ۔ اگر رونے سے گزارہ ہو سکتا ۔ تو میں بھی خوب رو لیا کرتا" ۔ اتنا کہہ کر پھر وہ ذرا نرمی سے کہنے لگے ۔ آج میں کہیں باہر نہیں جا سکتا ۔ اس لئے جس طرح ہو سکے آج گزارہ کر لو ۔ کل کو دیکھا جائے گا" +

بھٹاچاریہ جی اُٹھ کر ضروریات سے فارغ ہونے کے لئے چلے گئے ۔ غریب

عورت نے ایک لمبا سانس لے کر جھاڑو سے صحن کو صاف کرنا شروع کیا۔ اور پکارنے لگی :۔ "ستی! ستی"!!

دروازہ کھول کر ایک نوشگفتہ غنچہ کی طرح خوب صورت لڑکی آنکھیں ملتے ملتے ڈیوڑھی میں آگئی۔ ماں کو صحن صاف کرتے دیکھ کر بولی :۔ "اماں! کیا کہتی ہو"؟

"ستی نہیں اٹھی اب تک؟ وہ یہاں جھاڑو دے دیتی۔ تو میں پانی لینے چلی جاتی"۔

"میں خود پانی نکالے لاتی ہوں"۔ یہ کہہ کر وہ ننھی سی لڑکی کوئیں کی طرف چلی۔ ماں نے اسے روک کر کہا :۔ "نہیں بیٹی! گھڑا بہت بڑا ہے۔ تو اٹھا سکے گی۔ میں آپ جاؤں گی"۔

لڑکی نے ماں کا کہنا نہ مانا۔ اور پانی لینے چلی گئی۔ غریب گنگا کو بہت بولنے کی عادت نہ تھی۔ دو ایک مرتبہ منع کرنے پر بھی جب لڑکی نے نہ مانا تو وہ پھر چپ چاپ اپنا کام کرنے لگی۔

گنگا کی بدھوا جیٹھانی بھی اس وقت وہیں صحن میں آکر کھڑی ہو گئی۔ اور ماں بیٹی کو کام میں مشغول دیکھ کر زور سے بول اُٹھی :۔

"ماں بیٹی خوب دل لگا کر کام کر رہی ہیں۔ پھر گھر میں بھونی بھانگ بھی ہے آج؟ بابوجی کدھر گئے؟ بازار کیوں نہیں جاتے؟ کالی اُٹھ کر کھانے کو مانگے گا تو اُسے کیا دیں گے؟ گوالن بھی کل دودھ نہیں دے گئی۔ اور دے بھی کس طرح؟ تمہاری تو یہ حالت ہے کہ بیچاری کو سات جنم میں دام وصول ہونے کی

امید نہیں ہو سکتی۔ وہ کب تک دودھ دیتی رہے گی"؟
گنگا نے دبی زبان سے :- "جی جی! اس وقت ایسی باتیں مت کرو۔ وہ ابھی بڑے دکھی ہو کر گئے ہیں سنیں گے تو انہیں اور زیادہ تکلیف ہوگی۔ ہمارا تو یہ روز ہی کا حال ہے۔ رہی گوالن کی بات ہمیں اُس کے کچھ زیادہ دام نہیں دینا۔ صرف اسی مہینے کے دودھ کا حساب باقی ہے"۔
جیٹھانی جھنجھلا کر بولی :- "ایک مہینے کا کیا کچھ کم ہے؟ اگر تمہیں کوئی بھلی بات بھی کہے۔ تو خواہ مخواہ بُرا بننا پڑتا ہے۔ کوئی بات ہی نہیں کہنے کے لائق۔ خیر مجھے ہی کیا ضرورت ہے۔ میں کچھ کہتی سنتی پھروں؟ میں نے تو اس لئے کہا تھا۔ دودھ بند ہو جانے سے کہیں بچے کو تکلیف نہ ہو۔ مر جائے مجھے کیا" یہ کہتی ہی وہ گائے کو بھوسہ کھلانے کے لئے چلی گئی۔ اب اُس کے دل کا غصہ اُمڈ کر باہر آگیا۔ بولی :- "بدنصیب۔ ناشکری گائے! بچھڑا بڑا ہو گیا ہے۔ اب یہ بھی دودھ نہ دیا کرے گی۔ صرف ٹھونس ٹھونس کر کھایا کرے گی۔ جائے جہنم میں ایسی گائے!"
پژمردہ چہرہ سے ساوتری بولی :- "بے چاری کو کچھ کھانے کو بھی ملتا ہے یا دودھ ہی دودھ دیتی رہے گی"؟
جیٹھانی نے اُس کی بات کی طرف دھیان نہیں دیا اور سوئے ہوئے کتے کی پیٹھ پر زور سے ایک لاٹھی رسید کی۔ غریب چلاتا ہوا بھاگا۔ رنگ ڈھنگ اچھا نہ دیکھ کر مینا خاموش ہو رہی۔ جب اور کوئی سامنے نظر نہ آیا۔ تو جیٹھانی مینا کو چپ دیکھ کر بولی :- "اُجڑے گھر کی بدنصیب مینا سویرے سویرے رام کا

نام بھی نہیں لیتی۔ اور بھی نہ معلوم کیا کیا۔ جو جی میں آیا۔ بکتی جھکتی رہی + اس شور و غل سے ستی بھی چونک اُٹھی۔ وہ باہر آئی۔ اور سب کو جاگے ہوئے دیکھ کر بڑی نرمی سے بولی :۔ "ارے! اتنا دن چڑھ گیا!" بات جیٹھانی کے کان میں پہنچی۔ فوراً بول اُٹھی :۔ "ارے۔ ذرا ایک چراغ تو لاؤ۔ اندھیرے گھر میں لڑکی کو کچھ دکھائی نہیں دیتا"۔ ستی نے اپنا قصور سمجھ کر اس طرف کچھ توجہ نہ کی اور چپکی ہو رہی۔ اور ماں کو اُٹھا کر خود برتن مانجھنے لگی + گنگا بولی :۔ "اچھا۔ اب میں نہانے کو جاتی ہوں" +

"جاؤ" +

بھٹا چاریہ جی ہاتھ مُنہ دھو کر فارغ ہوئے ہی تھے۔ کہ اُن کا سولہ سال کا لڑکا ہری شنکر سامنے آ کر بولا :۔ "اور کسی بات میں تو عقل کا زور نہیں چلتا۔ لیکن اگر ایک روز سکول نہ جاؤں۔ تو مغز کھا جاتے ہو + دس لڑکوں کے سامنے ننگے پاؤں کس طرح جاؤں؟ مجھے آج ہی جوتہ لے کر دو" +

گنگا بھی موقعہ پر آ پہنچی اور بیٹے کا ہاتھ پکڑ کر بولی :۔ "بیٹا! آج ایسی باتیں مت کرو۔ ابھی اسی طرح چلے جاؤ۔ بعد ازاں" +

"بعد ازاں کیا؟ اس طرح کب تک گزارہ ہو سکے گا؟ مجھے تو آج ہی جوتا چاہیئے" +

بھٹا چاریہ جی گرج کر بولے :۔ "غریب کا بیٹا اور اس قدر کی نوابی! اماں پسینے کو جائے۔ اور بیٹا تیس مار خاں! بھائی جو جس حالت میں ہو۔ اُسے اُسی طرح گزارہ کرنا چاہیئے۔ اب میں تمہاری خاطر کہیں سے چوری کر کے

لاؤں"؟

مناسب موقعہ پاتے ہی جیٹھانی جھڑک کر بول اُٹھی :۔ "وہ کیا جانے؟ اگر نہیں دیتے تو پھر لڑکے کے باپ کس طرح ہوئے؟ لڑکا بڑا ہو گیا ہے۔ اُسے سب کے سامنے نیچی نظریں کئے رہنا پڑتا ہے۔ تمہیں شرم نہیں آتی؟"

تین سال کا بچہ کالی شنکر ماں کا آنچل پکڑ کر بولا :۔ "اماں! مجھے بھوک لگی ہے۔ کچھ کھانے کو دو"۔

بھٹا چاریہ جی گھر کے اندر گئے۔ اور اپنی کھونٹی پر ٹنگی ہوئی چادر اُتار کر کندھے پر رکھی۔ اور باہر جانے لگے۔ گنگا اُن کے پیچھے پیچھے آئی۔ اور اُنہیں باہر جاتے دیکھ کر بولی :۔ "چادر لے کر کہاں چلے؟"

بھٹا چاریہ جی نے دوسری طرف مُنہ موڑ لیا۔ اور چلنے لگے۔ چھوٹے بچے کو گود میں لے کر گنگا اُن کے ساتھ ساتھ صحن تک آئی۔ اور بولی :۔ "کہاں جاتے ہو؟"

"کچھ تجویز کرنے جاتا ہوں۔ اگر کام بن گیا تو واپس آؤں گا۔ ورنہ بس سمجھو"۔ بھٹا چاریہ یہ کہتے کہتے باہر نکل گئے۔ گنگا کا گلا رک گیا۔ وہ اپنے بڑے لڑکے کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔ "بیٹا ہری شنکر! جا دیکھ تو سہی۔ وہ کہاں جا رہے ہیں۔ سمجھا بجھا کر واپس لے آ۔ جا تو۔ جاتا کیوں نہیں تو؟"

"کہاں جائیں گے؟ اپنے آپ واپس آجائیں گے۔ میں تو اب چاند پور واپس جاتا ہوں۔ نریندر بابو کے پاس رہوں گا۔ انہوں نے مجھے کئی مرتبہ اپنے ہاں رہنے کے لئے کہا۔ پر میں تو تمہارا خیال کر کے ہمیشہ اُن کی

بات ٹالتا رہا۔ اب میں یہاں ہرگز نہیں ٹھیر سکتا۔ آج کے بعد جو یہاں کا دانہ پانی کھائے پیئے۔ وہ برہمن نہیں چمار ہے۔ اچھا لو۔ اب میں جاتا ہوں"+

گنگا کو سانپ ڈس گیا۔ ایسی حالت ہو گئی۔ کہ کاٹو تو بدن میں لہو کا نام نہیں۔ دوسری طرف سے ستی بھی برتن مانجنا چھوڑ دوڑی ہوئی آئی۔ اور بولی:" رام رام! بھائی! تمہیں یہ کیا ہو گیا؟ تمہارے ہوش ایک دم کہاں گئے؟ تم ہمیں اس طرح چھوڑ کر چلے جاؤ گے۔ تو پھر ہمارا کیا حال ہوگا جاؤ جا کر پتا جی کو بلا لاؤ"+

"جو تمہارے جی میں آئے کرو۔ اب میں چلا" یہ کہتا ہوا ہری شنکر گھر سے باہر چلا گیا+

ساوتری نے دوڑ کر بھائی کے ہاتھ پکڑ لئے اور بولی:" بھائی۔ تمہارے پاؤں پڑتی ہوں۔ باباجی کو مت جانے دو۔ انہیں سمجھا بجھا کر بلا لاؤ+

لڑکی کو زور سے پاؤں سے ٹھکرا کر ہری شنکر چل پڑا+ گنگا بچے کو گود میں لے کر چپ چاپ آنگن میں بیٹھ گئی۔ اس نے اپنا منہ گھونگٹ سے ڈھانپ لیا+ ہاتھوں میں برتنوں کی سیاہی لگائے ستی تصویر کی مانند چپ چاپ کھڑی رہ گئی+ ساوتری گھر میں جا کر جھاڑو دینے لگی۔ ہاتھ سے کام کر رہی تھی لیکن آنسوؤں کی جھڑی کے مارے اسے آگے پیچھے کچھ نہ سوجھتا تھا۔ ادھر جیٹھانی زور زور سے چلا کر سارے گاؤں کے آدمیوں کو اپنے گھر کا حال بتا رہی تھی+

رام شنکر کا دل بہت بے چین تھا۔ وہ گاؤں کا سیدھا راستہ چھوڑ کر

کھیتوں میں سے ہو کر جانے لگے ۔ ناک کی سیدھ میں چلے جا رہے تھے ۔ مٹی کے ڈھیلوں سے پاؤں کو بار بار ٹھوکریں لگتی تھیں ۔ قدم قدم پر کانٹے چُبھے جاتے تھے ۔ مگر انہیں ان باتوں کا خیال بھی نہ تھا ۔ قریب ہی ایک کھیت میں پرسن اہیر بیٹھا اناج صاف کر رہا تھا ۔ وہ رام شنکر کو دیکھ کر بولا ۔

"بھٹا چاریہ جی مہاراج ! پالاگن ۔ ادھر کہاں ؟"

"جہنم میں" کہہ کر رام شنکر آگے بڑھ گئے ۔ اسی وقت پھر کسی نے پوچھا ۔

"بھٹا چاریہ جی ۔ آپ کہاں جا رہے ہیں" ؟ براہمن نے سر اُٹھا کر دیکھا ۔ کہ انہیں کے گاؤں کا رہنے والا ابشو ایشور ہے ۔ وہ گھٹنے پر سے دھوتی اٹھائے ۔ ڈھیلوں کو پھوڑتا ہوا ان کی طرف چلا آ رہا تھا ۔ براہمن کھڑا ہو گیا ۔ اس نے اسی خیال سے عام راستہ چھوڑ دیا تھا ۔ کہ کہیں کوئی مِل نہ جائے ۔ مگر پھر بھی جان نہ بچی ۔

"ابشو ایشور نے نزدیک آ کر بڑے ادب سے پوچھا ۔ کہاں تشریف لے جاتے ہیں" ؟

"کوئی ٹھیک ٹھکانا نہیں ۔ جس طرف کو پاؤں اُٹھتے ہیں ۔ اسی طرف کو جا رہا ہوں ۔ کوئی خاص طرف یا مقام مجھے مقصود نہیں ہے ۔ تم دیکھ ہی رہے ہو" ۔

"اُس طرف تو لوگوں کے آنے جانے کا راستہ نہیں ۔ پھر آپ اِدھر کہاں جا رہے ہیں" ؟

"لوگ کیوں نہیں آتے جاتے ؟ تم خود بھی تو اُسی طرف جا رہے ہو" ۔

"میری بات جانے دیجئے۔ سیدھی راہ سے واپس جانے میں دیر لگے گی۔ یہ سوچ کر اِس طرف سے ہو لیا"+

"بس میری نسبت بھی یہی سمجھ لو"+

"میں تاراپور کے مہاجنوں کی کوٹھی پر گیا تھا۔ وہاں مجھے کچھ کام تھا۔ واپس ہوتے وقت نزدیک کا خیال کر کے اِدھر سے چلا آیا"+

"میں بھی کام کو جا رہا ہوں۔ کام کے بغیر ڈھیلے پھوڑنے کا شوق کسی کو یہاں نہیں لا سکتا"+

"نہیں۔ آپ بات چھپا رہے ہیں۔ اگر کہنے کے لایق ہو۔ تو صاف صاف کہہ دیجئے۔ بات چھپانے سے کچھ فائدہ نہیں۔ ذرا بھی تکلف نہ کریں"+

"بھائی تکلف کیسا؟"

"میں اگر آپ کو کسی قسم کا فائدہ پہنچا سکا۔ تو اپنے تئیں بڑا خوش قسمت سمجھوں گا"+

رام شنکر نے ساکت آنکھوں سے ایک دفعہ نوجوان کی طرف دیکھا+ اُس کے چہرہ پر متانت اور حوصلہ کے آثار جھلک رہے تھے+ کسی قسم کے مذاق یا فریب کا نام و نشان تک بھی نہ تھا۔ وہ بڑی حلیمی سے بولے۔ "تم بڑے اچھے لڑکے ہو۔ واقعی ایسی باتیں کرنا تمہارے لئے مناسب ہے۔ مگر میں تمہارا احسان اپنے سر کیوں لوں؟ میں نے کسی پر احسان نہیں کیا۔ پھر مجھے کیا حق حاصل ہے۔ کہ دوسروں کے احسان کی امید کروں"؟

"اُپکار یا احسان کے عوض میں نہیں بلکہ محبت سے۔ پریم بھاؤ سے مجھے اپنی

خدمت کرنے کا موقعہ دیں"+

"خیر! یہ باتیں جانے دو۔میں آج کام دھندے کی فکر میں گھر سے نکلا ہوں۔اگر سارے گھر کے اخراجات کا انتظام نہ ہو سکا۔تو کم از کم اپنے پیٹ کی فکر سے چھٹکارا پا لوں گا"+

بھٹاچاریہ کی بات سن کر بشویشور کانپ اٹھا۔بے چین ہو کر بولا:۔

"اچھا اگر آپ میرا احسان نہیں چاہتے تو نہ سہی۔تار ابور کی کوٹھی میں دس روپیہ ماہوار پر ایک نوکر کی ضرورت ہے۔چلئے وہیں کام کیجئے"+

"میں آج سے ہی وہاں کام کرنے کو تیار رہوں۔مگر شرط یہ ہے۔مجھے ایک ماہ کی تنخواہ آج ہی مل جائے"+

"اچھا۔چلئے"+

دونوں چل پڑے۔بشویشور نے دوسری طرف منہ پھیر کر ایک لمبی سانس لی۔وہ بھٹاچاریہ جی کی دلی حالت کو تاڑ گیا تھا+

تیسرا باب

بشویشور ایک دیہاتی نوجوان ہے۔اس کے والد گاؤں کے بڑے متموّل شخص تھے۔مگر چونکہ ان کی طرز معاشرت بالکل سادہ تھی۔اس لئے گاؤں کے لوگوں میں کنجوس مکھی چوس وغیرہ ناموں سے مشہور تھے+ اُن کا مکان گو ایک منزلہ تھا۔مگر بڑا فراخ اور وسیع تھا+گائے بچھڑے

اور بیلوں سے اُن کا بیل خانہ ہمیشہ بھرا رہتا تھا + اناج کے کوٹھوں میں بھی گیہوں - چنے - دھان اور جَو وغیرہ کی کبھی کمی نہ ہوتی تھی - لیکن دیگر اصحاب کی طرح اُن کے گھر میں نوکر چاکر سائیس - خدمت گار - باورچی - دایا وغیرہ کوئی نظر نہ آتا تھا + ان کی نشست گاہ (بیٹھک) میں میز کرسی - آئینہ الماری وغیرہ بھی موجود نہ تھیں - نہایت سیدھے سادے دیہاتی گرہست کا گھر تھا +

سب لوگ بوڑھے کو روپے کا کیڑا کہتے تھے - گھر میں صرف اُن کا اکلوتا لڑکا بشو یشور تھا - یا اُس کی موسی اَن پورنا + لوگ کہتے ہیں بڑھیا کے پاس بھی بہت مال ہے + بے ماں کے بشو یشور کی پرورش کرنے کے لئے جب وہ نارائن چندر میتر ے کے گھر آئی - تو مارے حسد کے لوگوں کے دل تلملانے لگے +

نارائن چندر اپنے بیٹے بشو یشور کو کبھی اپنی آنکھوں سے اوجھل نہ ہونے دیتے تھے - اس واسطے اُنھوں نے بشو یشور کو گاؤں کے سکول میں صرف انٹرنس تک تعلیم دلائی - پر باہر بھیجنا منظور نہ کیا - لیکن لوگوں کی رائے ہے - کہ اگرچہ بشو یشور نے یونیورسٹی میں تعلیم نہیں پائی - مگر اُس کی تعلیم مکمل ہے + کئی سنسکرت کے سند یافتہ وِدوان مقابلہ میں اس سے زک اُٹھا چکے تھے + کہتے ہیں ایک مرتبہ بشو یشور کا کوئی رشتہ دار - جو ایم - اے - پاس تھا اُن کے ہاں آیا - اور اُس کی زبان دانی کی غیر معمولی قابلیت دیکھ کر حیران رہ گیا + اِس قسم کے کئی قصے گاؤں کے لوگوں کی زبان پر تھے - مگر گاؤں

کی عورتوں میں اُس کے اِن گنوں کا چرچا نہ تھا۔ کیونکہ اُنہیں معلوم تھا۔ کہ بشویشور بڑا خاموش بھلا مانس اور سیدھا سادا لڑکا ہے +

یہ کہنا ذرا بھی نامناسب نہ ہوگا۔ کہ بشویشور کی شکل کبھی شاذ ہی گھر سے باہر نظر آتی تھی + اپنی بائیس سال کی عمر کا ایک بہت بڑا حصہ اُس نے اپنے گھر کی کوٹھڑی میں ہی گزارہ ہے + اتنی بڑی عمر ہو جانے کے باوجود بھی اُسے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ آوارہ پھرنے یا لمبی چوڑی گپیں ہانکنے کا موقعہ کبھی نہیں ملا + ۱۶ سال کی عمر میں جب اُس نے امتحان انٹرنس پاس کرنے کے بعد سکول چھوڑا۔ اُس وقت سے ایتک دن رات ہر وقت اپنے کمرے میں رہتا ہے۔ غسل وغیرہ روزانہ فرائض کے سوا وہ کبھی گھر سے باہر نہیں آتا۔ حویلی کے جس کمرہ میں وہ بیٹھتا ہے وہاں کوئی نہیں جاسکتا جو کوئی وہاں جاتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے۔ کہ تخت پوش پر بے شمار کتابیں پڑی ہیں۔ اور بشویشور لیٹا ہوا پڑھنے میں مشغول ہے + کتابیں اور اخبار خریدتے وقت اُس کے والد اپنی کنجوسی کو بھول جایا کرتے تھے۔ اور اپنے بیٹے کے غیر معمولی شوق سے اپنے دل میں بہت خوش ہوا کرتے تھے + آج تک اُنہوں نے دنیا کا کوئی فکر بیٹے کے دل میں نہیں آنے دیا۔ اُن کی خواہش تھی۔ کہ بشویشور کی شادی کردوں۔ اور اُسے سب باتیں سمجھا کر کاشی کو چلا جاؤں۔ اور اپنی زندگی کا باقی ماندہ حصہ وہیں گزار دوں۔ مگر اچانک پیغام اجل آ پہنچا۔ اور دل کے ارمان دل ہی میں رہ گئے + بیٹے کو ضروری باتیں سمجھا کر اور اُسے اُن پورنا کے سپرد کر کے اُنہوں نے اپنی زندگی کا کھیل

ختم کر دیا +

باپ کے مرجانے پر بشو بیشور اندھیرے میں گھر گیا۔ اُسے شور و شر سے دور لٹریچر کی کوٹھری سے نکال کر اور یک لخت دنیا میں بے یار و مددگار اور تنہا چھوڑ کر والد نہ معلوم کہاں چلے گئے تھے۔ بشو بیشور کو ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ زندگی کا نیا دور شروع ہوا ہے۔ مگر وہ دُنیا کے جنجال میں زیادہ نہیں اُلجھا + نارائن چند رنے اپنا کاروبار ایسا باقاعدہ اور ٹھیک بنا رکھا تھا۔ کہ بشو بیشور کو ذرا بھی مشکل کا سامنا نہ کرنا پڑا + انہوں نے بیٹے کو طرح طرح کی کتابیں پڑھنے کو دے کر اس کا دل و دماغ ایسا مضبوط بنا دیا تھا۔ کہ اسے زمینداری سنبھالتے وقت کوئی دِقت پیش نہ آئی۔ اِس لئے وہ جس طرح پہلے لٹریچر میں محو رہتا تھا۔ اُسی طرح اب بھی اُسے اپنی خواہش پورا کرنے کا موقعہ مل گیا + ضروری کاروبار کر چکنے کے بعد اُسے معلوم ہوتا تھا۔ کہ اب بھی میرے پاس کافی وقت ہے + اب وہ یہ سوچنے لگا۔ اس باقی ماندہ وقت سے کس طرح فائدہ اٹھایا جائے + کاروبار کو فروغ دینے کے ارادے سے اُس نے بہت سی نئی جائداد خریدی اور ایک باغ لگایا۔ اور اپنی ان تھک کوشش کی بدولت اُسے نہایت خوب صورت اور اعلےٰ درجہ کا باغ بنا دیا + اُس نے ندی کے کنارے پر کچھ زمین خریدی ہے۔ اور معلوم نہیں کس غرض سے وہاں ایک بڑا لمبا چوڑا مکان بنوا رہا ہے + اُسی کی مہربانی سے گاؤں کی بھوانی دیوی کا ٹوٹا ہوا مندر دوبارہ بن گیا ہے + رام ساگر مٹی سے بھر گیا تھا۔ اور اُس کا کہیں

ام ونشان بھی باقی نہ رہ گیا تھا۔ اب تمام مٹی نکلوا دی گئی ہے۔ اور اُس میں
بالب پانی بھر گیا ہے + مہاپور کے ٹوٹے ہوئے بند ھ کے سبب ہر سال
گاؤں میں پانی آجاتا تھا۔ جس سے گاؤں کئی مرتبہ ڈوب گیا۔ اور
لوگوں کو بہت تکلیف اور نقصان اُٹھانا پڑا۔ اب پُل از سرِ نو تعمیر کرا دیا
گیا ہے + کسی کو ٹھیک طور پر معلوم نہیں ہے۔ کہ یہ کام کس کی بدولت
ہو رہے ہیں۔ تاہم لوگوں کو کچھ کچھ خیال ہے۔ کہ پہلے درجہ کے
مکھی چوس نارائن چندر کے روپیہ کا مفید ترین استعمال کیا جا رہا ہے
دوسروں کی بھلائی چاہنے والا کوئی کوئی سجن بشوبشور کو بلا کر سمجھاتا ہے
"بابو! دوسروں کے کئے ہوئے کاموں میں اپنا روپیہ کیوں خرچ کر رہے
ہو۔ کوئی جدا کام کیوں نہیں کرتے۔ جس سے نام بھی ہو۔ اور پُنیہ بھی
ہو"؟ بشوبشور اُن کی بات کو آڑا کر جواب دیتا ہے:۔ "اتنے بڑے بڑے
قابلِ تعریف کام کرنا میری طاقت سے باہر ہے۔ دو چار دس روپیہ
میں جو کام ہو سکے وہی بہت ہے"۔ جو شخص ذرا عقل مند ہوتا۔ وہ
اُن کی یہ بات سُن کر کہتا:۔ "لیکن ان کاموں میں بھی تو آپ کا بہت
روپیہ لگتا ہے"۔ اُن کی اِس بات کا بشوبشور بڑی لاپروائی سے یوں
جواب دیتا:۔ "نہیں! میرے پاس زیادہ روپیہ ہے کہاں۔ جو اس طرح
لگا سکوں"؟

بشوبشور کی موسی اُس کے باپ کے مرنے کے بعد اب تک بڑے
مزے سے گھر گرہست چلا رہی تھی۔ لیکن یکایک اُسے ایک روز گھر میں

کچھ کمی محسوس ہوئی۔ اُسے خواہش ہوئی۔ کہ اُن کا یہ چھوٹا سا۔ سونا دُکھ سُکھ سے بھرا ہوا کُنبہ نئی دُلہن کی آمد سے بارونق بن جائے۔ اِس لئے وہ ایک دن بشویشور سے جو اس کی نظروں میں بجائے بیٹے کے تھا۔ یوں مخاطب ہوئی:۔ "بشویشور میری ایک خواہش ہے" +

"کیا ہے موسی؟"

"دیکھو سب کے گھروں کو چھوٹی چھوٹی دُلہنوں نے روشن کر رکھا ہے۔ صرف میرا ہی گھر سونا ہے" +

"بتلائیے کیا کروں؟ آدمی تو کمہار کے چاک پر گھڑا نہیں جا سکتا۔ پرماتما نے جو چیز عطا نہیں کی۔ اُس کا کیا علاج ہو سکتا ہے؟"

"خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ ایک آدمی تو گھڑ کر لانا ہی ہو گا۔ مجھے بھی ایک چھوٹی سی بہو لا دو" +

اپنی موسی کی یہ بات سُن کر بشویشور ہنستا ہنستا لوٹ گیا۔ اُس کی ہنسی روکے نہ رُکی۔ موسی خفا ہو کر بولی:۔ "اتنا کیوں ہنستے ہو؟ اب گھر میں بہو لانی ہی پڑے گی۔ ورنہ لوگ بڑی نندا کریں گے" +

"موسی! اپنی ناک کاٹ کر دوسروں کے سفر میں بدشگنی کرنا لوگوں کی عادت ہے۔ بتلاؤ تو سہی کہ دوسرے کی لڑکی کو گھر میں کیوں لاؤں؟ بیٹھے بٹھائے خواہ مخواہ جنجال میں کیوں پڑیں؟ اگر ہم دونوں ماں بیٹے گھر میں رہیں۔ تو اِس میں کون سی بُرائی اور نندا کی بات ہے؟"

"بُرائی کی بات تو نہیں ہے؟ لیکن اگر ایک اور آدمی اپنے گھر میں آجائے تب بھی تو بُرائی نہ ہوگی۔ وہ تو اور بھی مزے کی بات ہوگی"۔

"ایک اور آگیا۔ تو پھر کہوگی۔ کہ ایک اور آجائے تو اچھا ہو۔ اسی طرح ایک کے بعد ایک کی خواہش بڑھتی ہی چلی جائے گی۔ آدمی کی خواہش کبھی کم تو ہوتی نہیں۔ لگاتار بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔ اس سے تو یہی اچھا ہے کہ پرماتما نے جنہیں جنم سے ساتھ رکھا ہے۔ وہ صبر شکر کرکے خوش رہیں۔

"میں نے آج تک ایسا پاگل لڑکا کہیں نہیں دیکھا۔ اب میں تیری ایک نہیں سُننے کی۔ مَیں تیرے لئے لڑکی کی تجویز کرتی ہوں"۔

"وہ تمہاری مرضی۔ ایک کیا ہزار لڑکیوں کی تجویز کرو۔ اگر کہو تو مَیں بھی تمہیں دو چار کے نام بتاؤں!"

"اچھا۔ بتلاؤ۔ مَیں اُن ہی میں سے کسی ایک کو دیکھ سُن کر پسند کرلوں گی"۔

"خوب! ایک کو پسند کرلوگی۔ اور جو باقی بچیں گی۔ اُنہیں واپس کردوگی؟ یہ نہیں ہوسکتا۔ اگر لینا منظور ہو تو سب کو لے لینا۔ تاکہ مارے بہوؤں کے گھر میں قدم رکھنے کو جگہ نہ ملے۔ اور چاروں طرف چہل پہل ہو جائے"۔

"لڑکپن کی باتیں چھوڑ۔ سچ سچ بتا۔ بیاہ کرائے گا یا نہیں؟"

"تم میری رائے کب مانتی ہو؟ تم جتنی بہوئیں چاہو۔ لا کر گھر میں رکھ دو۔ مگر میں تم کو پہلے ہی بتائے دیتا ہوں۔ کہ ایک دفعہ میں ہندوستان کے تمام مشہور مشہور تیرتھوں اور شہروں کو دیکھنے کے لئے جاؤں گا۔ تمہارے منہ سے کاشی۔ بندرابن۔ وغیرہ مقدس مقامات کی تعریف سُن کر اُن کی زیارت کرنے کا بہت شوق ہو گیا ہے۔ اس سال اُنہیں اپنی آنکھوں سے دیکھ کر آؤں گا۔ پھر تمہیں ہرا یا کروں گا اُنہیں ایک دفعہ دیکھے بغیر تم سے پیش پانا بہت مشکل ہے۔ سب سے پہلے پتاجی کا گیا شرادھ کرانا ہے۔ تمہیں بھی میرے ساتھ چلنا ہوگا۔ ورنہ میں بھوکا مر جاؤں گا"۔

"میں کب کہتی ہوں۔ کہ تیرے ساتھ نہیں جاؤں گی؟ میں تجھے کب اکیلا چھوڑ سکتی ہوں؟ لیکن اگر بیاہ کے بعد ہی گیاجی جائیں۔ تو کیا حرج ہے"؟

"اچھا تم یہاں بیٹھی بیاہ کا بندوبست کرو۔ میں اکیلا ہی چلا جاؤنگا"۔

"اگر تو چلا جائے گا۔ تو پھر میں کس کے بیاہ کا انتظام کروں گی"؟

"یہ تم جانو"۔

"ہے پرماتما! ایسا ضدی لڑکا میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ اچھا چل۔ پہلے یہی کام ختم کرلیں"۔

بات یہیں ختم ہو گئی۔ شام کے وقت جب بشویشور اپنے باغیچہ میں ٹہل رہا تھا۔ اُسے ایک لڑکی نظر آئی۔ وہ مٹی کے ایک چھوٹے سے گھڑے

میں پانی لئے جا رہی تھی - راستہ بہت تنگ تھا - اس لئے وہ بشو لیشور کو آتا دیکھ کر ایک طرف ہٹ کر کھڑی ہو گئی + اسی وقت اُس کے پاؤں میں کانٹا لگا - یہ دیکھ کر بشو لیشور بولا :- "خراب راستے سے کیوں جا رہی ہو؟ راستے پر جاؤ - اُدھر سانپ بچھو وغیرہ کا خطرہ ہے" +

لڑکی ذرا مُسکرا کر بولی :- "پھر آپ کیوں گڑھے میں اُتر سے چلے جا رہے ہیں"؟

بشو لیشور نے اس کی اس بات کا کوئی جواب نہ دیا - اور "سیدھی راہ جاؤ" - کہہ کر اُس کے پاس سے ہو کر آگے نکل گیا + لڑکی خاموش کھڑی رہی - کچھ دور آگے جا کر جب بشو لیشور راستے کے موڑ پر سے گھومنے لگا - تو اُس نے دیکھا - لڑکی چُپ چاپ وہیں کھڑی ہے + بشو لیشور حیران ہو کر تھوڑی دیر کے لئے کھڑا ہو گیا - اُس نے دیکھا - کہ لڑکی اسی کی طرف دیکھ رہی ہے + آنکھیں چار ہوتے ہی اُس نے اپنا سر جُھکا لیا - بشو لیشور کے دل میں خیال آیا - شاید لڑکی کو مجھ سے کچھ کام ہے - بشو لیشور کو یاد آیا - کہ یہ شکل و صورت اُس نے پہلے بھی کہیں دیکھی ہے - اُسے یہ یاد نہ آیا - کہ وہ کون ہے - اور کس کی بیٹی ہے - مگر یہ ضرور یقین ہو گیا - کہ اُس نے اُسے دو چار دفعہ دیکھا ضرور ہے + بشو لیشور فوراً لڑکی کے پاس واپس چلا آیا اور بولا :-

"تم کس کی بیٹی ہو؟"

"بھٹاچاریہ جی کی" +

"کون سے بھٹاچاریہ جی کی؟ رام شنکر جی کی"؟

"ہاں"+

بشوییشور نے دیکھا۔ کہ لڑکی اور کچھ نہیں کہتی۔ اس لئے لاچا
واپس چل دیا+ خود کسی سے کوئی بات دریافت کرنا اُس کی عادت
کے خلاف تھا۔ اگر کوئی شخص اُس سے کچھ کہنے کے لئے آتا۔ اور لحا
کے مارے رُک جاتا۔ اور اپنی بات نہ بتلا سکتا۔ تو وہ بھی لحاظ
خاموش ہو جاتا۔ اور کچھ نہ پوچھ سکتا تھا۔ بلکہ سر جھکا کر بیٹھ جایا کرتا
اُس روز اُس نے بھٹاچاریہ جی سے جو اتنی باتیں کی تھیں۔ اُس کا
سبب یہ تھا۔ کہ جب اُس نے اپنی موسی سے اُن کی مصیبت کا حا
سُنا تھا۔ تو اس کے دل پر بڑی چوٹ لگی تھی۔ وہ اُن کی تکلیف
محسوس کرتا تھا۔ اُس کے دل میں خیال تھا۔ کہ اگر کسی طرح رام شنک
یا اُس کے بیٹے کو کوئی کام دلا سکوں۔ تو ایک حد تک اُن لوگوں
تکلیف دور ہو سکتی ہے+ لیکن یہ بات کبھی بشوییشور کے خواب میں
بھی نہ آئی۔ کہ کسی اچھے خاندان کا آدمی کبھی مجھ سے روپیہ پیسہ کا
یا کسی اور احسان کی توقع کرے گا+ اس قسم کا خیال دل میں لا
بھی اُسے شرم آتی تھی۔ نوکری کا انتظام کر دینے کے بعد اُس
بھٹاچاریہ جی کی کوئی خبر نہیں لی۔ اُس کی خواہش تھی کہ کسی طر
اُن کی کچھ بہتری ہو سکے۔ وہ ہو گئی۔ دو چار دس روز کے کام
فیصلہ ایک ہی دن میں ہو گیا+

بشویشور کو جاتا دیکھ کرستی نے پھر اُس کی طرف دیکھا۔ اور آہستگی سے بولی:۔ "آپ سے۔ آپ سے ...."

اس مرتبہ بشویشور ٹھٹک گیا اور بولا:۔ "مجھ سے کچھ کہو گی"؟

"ہاں"+

"ستی مارے لحاظ کے مری جا رہی تھی۔ نہ کہنے سے کام نہیں چلتا تھا۔ سکھی کے آگے بھی جھوٹا بننا پڑے گا۔ اُس کے ساتھ بے الفاقی ہوگی + بشویشور سمجھ گیا۔ کہ ستی شرما رہی ہے۔ اس لئے اور قریب آکر بڑی میٹھی آواز سے بولا:۔ "کہو نہ۔ اِتنا کیوں شرماتی ہو"؟

ستی بڑی تکلیف سے بولی:۔ "کملا نے کہلا بھیجا ہے کہ........"

"کملا! کون کملا"؟

ذرا حیران اور دُکھی ہو کر ستی بولی:۔ "وہی بابوؤں کے خاندان کی لڑکی! آپ اُسے نہیں جانتے؟ آپ ہی نے تو ایک دفعہ اُسے ڈوبنے سے بچایا تھا"+

متحیر ہو کر بشویشور نے کہا:۔ "اوہو اگر وہ تو بہت دن کی بات ہے۔ خیر۔ اُس سے کیا"؟

"کملا کہتی ہے۔ سُنا ہے کہ آپ کی شادی کی تجویز کی جارہی ہے"+

بشویشور زور سے ہنس پڑا۔ اُس کے دل میں خیال آیا۔ کہ دیکھو موسی کی بات بہت جلدی سارے گاؤں میں پھیل گئی + ہنس کر بولا:۔ "بیشک تجویز تو ضرور ہو رہی ہے۔ مگر اس سے تمہارا کیا

مطلب ہے"؟

سر جھکا کر ستی بڑی میٹھی آواز سے بولی:۔"کملا آپ کے ساتھ شادی کرانے کی خواہش مند ہے"۔

ستی کی یہ بات سُن کر بشویشور حیران تو نہ ہوا۔ مگر وہ اپنی ہنسی نہ روک سکا۔ جب اُس نے دیکھا کہ ستی بہت شرما گئی ہے۔ تو اُس نے اس قدر ہنسنا مناسب نہ سمجھا۔ اور بولا:۔"کیوں؟ اُس کی شادی کی اور کسی جگہ تجویز نہیں ہوئی"؟

ستی اس کا مذاق نہ سمجھی اور بولی:۔"چاندپور کے زمیندار کے لڑکے کے ساتھ اس کی شادی کی بات ہو رہی ہے۔ مگر وہ اِس تجویز کو پسند نہیں کرتی"۔

"سچ مچ"۔

"ہاں"۔

بشویشور کے چہرہ پر سنجیدگی کے آثار نمایاں تھے۔ وہ بولا:۔

"اُس سے کہو کہ وہیں شادی کرالے۔ گائوں میں بڑی دھوم دھام سے بارات آئے گی۔ کھانے پینے کا خوب مزا ہوگا۔ انہیں کے ہاں شادی ہونا مناسب ہے"۔

ستی نے شرمیلی آنکھوں سے بشویشور کے مُنہ کی طرف تاک کر کہا:۔"آپ بھی تو بڑے آدمی ہیں۔ بڑی بارات لانے میں آپ کی طرف سے کیا کوئی کسر ہوگی"؟

"کیا دیوانی ہوئی ہو؟ چاندپور والوں کا مجھ سے مقابلہ کرتی ہو"؟
"تو پھر میں کملا سے جاکر کیا کہوں"؟
بشویشور کو پھر ہنسی آگئی + بڑی مشکل سے ضبط کرکے جواب دیا،" کہ دینا کہ اگر میں ہی دولہا بنوں گا۔ تو شادی کے پوری پکوان میرے حصہ میں نہ آئیں گے۔ برت رکھتے رکھتے میری جان چلی جائے گی۔ بہت مدت سے امید ہے۔ کہ اس شادی میں خوب کھانے اور مٹھائیاں بنیں گی۔ ٹھونس ٹھونس کر کھاؤں گا۔ اس لئے میں دولہا نہیں بننا چاہتا۔ سمجھی"؟
ستی بہت دکھی ہوئی۔ مگر بشویشور کی بات سن کر اُسے بھی ہنسی آگئی۔" اور بولی:۔ آپ مذاق کر رہے ہیں"+
"مذاق نہیں کرتا۔ سچی سچی باتیں کر رہا ہوں۔ مجھے افسوس ہے کہ میں اُس کی بات نہیں مان سکتا۔ تم ہی بتلاؤ کہ عمدہ عمدہ چیزیں کھانے کی امید کس طرح چھوڑ دوں"؟
جب ستی اداس ہو کر جانے لگی بشویشور نے پوچھا:" تمہارا نام کیا ہے"؟
"ستی"+
"تمہارا بھائی گھر آیا؟ تمہارے پتا اُس روز کہہ رہے تھے کہ..... !
"ہاں" کہہ کر ستی ذرا آگے بڑھی ہی تھی کہ بشویشور نے بڑے پس و پیش سے پوچھا:۔" تمہارے پتا ہر روز تاراپور کی کوٹھی میں جاتے

ہیں"؟

"ہاں جایا کرتے ہیں"+ ستی نے یہ بات چلتے چلتے کہی تھی +
بشویشور چند اور باتیں بھی دریافت کرنا چاہتا تھا۔ مثلاً اُنہیں کسی چیز کی ضرورت تو نہیں" "کوئی خاص تکلیف تو نہیں ہے"۔ مگر ستی نے موقع نہ دیا۔ مارے لحاظ اور شرم کے بشویشور کو بھی کوئی بات پوچھنے کی جرات نہ ہوئی + رام شنکر اُس روز کے بعد پھر اُس سے نہیں ملے + دو چار دفعہ بشویشور کو اُن سے ملنے کی خواہش بھی ہوئی۔ مگر پھر اس خیال سے کہ وہ کہیں کچھ اور نہ سمجھ بیٹھیں۔ اُن کے گھر نہ گیا + چونکہ رام شنکر جی نے بھی پھر کبھی اُس کو کچھ نہیں کہا۔ اِس لئے بشویشور کو یقین ہو گیا۔ اب اُنہیں کسی قسم کی تکلیف نہیں ہے +
جب بشویشور کو یہ یاد آیا۔ کہ اُس نے ایک روز رام شنکر کے سارے کنبے کو فاقوں مرنے سے بچایا تھا۔ اور مصیبت سے نجات دلائی تھی اُس وقت اُسے بڑی شانتی اور اطمینان حاصل ہوا۔ اور اُس نے پرماتما کا دھیان کر کے اُن کے قدموں میں سر جھکا دیا اور پرنام کیا +

چوتھا باب

رام شنکر بھٹاچاریہ کو دس روپیہ ماہوار ملنے لگے۔ اس لئے اُنہوں نے سمجھ لیا۔ کہ بیٹا بیوی سب کے قرضہ سے سبکدوش ہو گئے۔

اب کسی بات کا فکر نہ رہا + ہر روز خوشی خوشی وقت پر نہاتے اور کھاتے ہیں ۔ اور تمباکو کی دو چار چلمیں پی کر سو جاتے ہیں + صبح اُٹھتے ہیں ۔ ضروریات سے فارغ ہونے کے بعد کپڑے پہن کر اور چادر اوڑھ کر کوٹھی کو چلے جاتے ہیں ۔ رات کو آٹھ نو بجے گھر واپس پہنچتے ہیں ۔ اور کھانا کھا کر آرام سے ٹانگیں پسار سو جاتے ہیں +

رام شنکر کے بیٹے ہری شنکر نے بہت دن ہوئے سکول چھوڑ دیا ہے + وہ چاندپور کے بابوؤں کی صحبت میں اپنے دن گزارتا ہے ۔ بابوؤں نے تفریح طبع کی خاطر ایک ناٹک منڈلی بنا رکھی ہے ۔ عورت کا پارٹ کرنے میں ہری شنکر اپنا ثانی نہیں رکھتا ۔ اور یہ اسے زیب بھی دیتا ہے + اس واسطے بابو بھی اُسے چھوڑنا نہیں چاہتے ۔ مہینے میں اگر دو ایک روز کے لئے کبھی گھر آتا ہے ۔ تو ماں ۔ باپ ۔ بھائی ۔ بہن سب کو جلاتا کُڑھاتا ہے ۔ اور خود بھی جَل بُجھ کر واپس چلا جاتا ہے + اپنے گھر کی رُوکھی سوکھی دال روٹی اسے اچھی نہیں لگتی ۔ پھٹے پُرانے بستر پر اب اُسے نیند نہیں آتی + رام شنکر اس بات سے ناراض نہیں ہیں ۔ کیونکہ وہ سمجھتے ہیں ۔ بڑے آدمی کی صحبت سے اُسے ایک نہ ایک روز کوئی اچھا کام مل ہی جائے گا + اُس کے بنائے سنوارے ہوئے بال ۔ اُجلے کپڑے ۔ گھڑی ۔ چھڑی اور سگرٹ کی بہار دیکھ کر رام شنکر اس کی طرف سے بے فکر ہو جاتے ہیں ۔ مگر گنگا دیوی تنہائی میں بیٹھ کر خوب روتی ہے + ماں کو رونا

دیکھ کر دونوں لڑکیاں بھی رونے لگتی ہیں + صرف اِن تینوں کو ہی فکر دامن گیر رہتا ہے۔ وہ کبھی چپ نہیں بیٹھتیں۔ گھر کے کام کاج سے فرصت پاکر گنگا دیوی روئی کاتتی۔ سَن کی رسّی بٹتی۔ یا کچھ سیتی پروتی رہتی ہے + دونوں لڑکیاں بھی ان کاموں میں اپنی ماں کی خوب مدد کرتی ہیں۔ سینے کا کام گنگا کو خوب آتا ہے۔ مگر چونکہ اس میں روپیہ خرچ کرنا پڑتا ہے۔ اِس لئے جس کام میں پیسہ کی ضرورت نہ پڑے۔ اُسی میں مشغول رہتی ہے + ان کاموں کی بدولت جو کچھ ملتا ہے۔ اُس سے بڑا کام نکلتا ہے +" بابو دس روپیہ لاتے ہیں۔ اُس میں گزارہ نہیں ہوتا۔ وقت بے وقت کے لئے بھی چار پیسہ جمع کر رکھنے چاہئیں۔ دمہ کے مارے اُن کا جی ہر وقت پریشاں رہتا ہے + لڑکیاں دونوں سیانی ہوگئیں۔ خوب صورتی ہی سے کام نہیں چلتا۔ روپ اور گُن چھپانے کے لئے روپیہ کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن گھر میں چوہے ڈنڈ پیلتے ہیں۔ یہی غنیمت ہے۔ کہ کسی طرح گھر کا خرچ ہی چلا چلتا ہے۔ لڑکیوں کا کیا حال ہوگا؟ اب تک اِن کے بیاہ کا فکر بھی نہیں کیا!" اس قسم کی باتیں سوچ کر گنگا ٹھنڈی ٹھنڈی اور لمبی لمبی آہیں بھر کر پرماتما کو یاد کیا کرتی ہے +

عین دوپہر کا وقت ہے۔ چاروں طرف سناٹا چھا رہا ہے۔ برتن مانجھنے اور جھاڑنے صاف کرنے کا کام ختم ہو چکا ہے۔ بلّی بڑے آرام سے تلسی کے چبوترے کے پاس پڑی سو رہی ہے۔ کتا دروازے

کے آگے پڑا ہے۔ صحن میں ٹٹی کے اوپر کدو کی بیل پھیلی ہوئی ہے۔ اس کے پتے دھوپ میں چمک رہے ہیں۔ صاف ستھرے مٹی سے لپے ہوئے صحن میں کیلے کے چھوٹے چھوٹے پودے عجیب بہار دکھلا رہے ہیں + کوئل آم کے پتوں میں چھپی ہوئی بیٹھی ہے۔ اور میٹھے پھل کھا کر خوش خوش چیخ اُٹھتی ہے۔ "کوکو۔ کوکو"۔ کنگا اندر سے بہت سا اَن لائی۔ اور اُسے پانی میں بھگو بھگو کر نرم کرنے لگی + ساوتری اُسے سنبھال کر رکھنے لگی۔ ستی ماں کی طرف دیکھ کر بولی:۔

"اماں۔ کملا سسرال سے آگئی ہے۔ میں جا کر ذرا اُس سے مل آؤں"؟

"جاؤ۔ لیکن بیٹی دھوپ بہت تیز ہے۔ تھوڑی دیر بعد چلی جانا +

"پھر راستہ میں بھیڑ ہو جائے گی۔ اِس لئے ابھی جانا مناسب ہے ساوتری! چل اُٹھ تو بھی چل" +

ساوتری نے اپنی نارضامندی ظاہر کرنے کے لئے سر ہلا دیا +

"تو میں اکیلی کس طرح جاؤں"؟

ماں نے کہا:۔ "جا بیٹی ساوتری! تو بھی چلی جا۔ وہ اکیلی کس طرح جائے گی"؟

اپنا دھوپ سے کملایا ہوا خوب صورت چہرہ دوسری طرف پھیر کر اور ماتھے پر بکھرے ہوئے خشک بالوں کو ٹھیک کر کے ساوتری نے بڑی حلیمی سے جواب دیا۔ "بہن! تم کالی کو ساتھ لے جاؤ۔ میں

ماں کے پاس بیٹھ کر ستی ٹپتی ہوں ۔ میں دیکھوں گی۔ یہ کام مجھ سے ہو سکتا ہے۔ یا نہیں۔ میں آج کہیں نہ جاؤں گی" +

اپنے چھوٹے بھائی کالی شنکر کو بہت سی ترغیبیں دے کر ستی نے صاف سی پگڑی پہنائی ۔ اور گود میں لے کر چل دی + ماں نے پکار کر کہا :۔ "دھوپ بڑی تیز ہے ۔ تو بھی سر پر کپڑا اڈال لے"۔ ستی ماں کی بات ان سُنی کر کے چل دی +

بڑے آدمی کا مکان ہے ۔ داخل ہوتے پاؤں کانپ رہے ہیں ۔ دو برس ہو گئے جب سے کملا سسرال چلی گئی ہے ۔ اُس وقت سے ستی نے اِس گھر میں قدم نہیں رکھا ۔ اب عمر بھی زیادہ ہو گئی ہے امیر گھروں کی بہو بیٹیاں معمولی عورتوں سے بھلے مُنہ بولنا تک پسند نہیں کرتیں ۔ آنکھ ملاتے بھی اُنہیں شرم آتی ہے + ستی کو اس قسم کے خیالات نے گھیر لیا + اُس نے دل ہی دل میں سوچا "اب آج کے بعد پھر کبھی یہاں نہیں آؤں گی" +

لیکن جب کملا اُسے دیکھ کر بے تحاشا دوڑی ہوئی آئی ۔ اور آکر اُس کے گلے لگ گئی ۔ تو ستی کے دل کے سب خیالات یک لخت کافور ہو گئے + پچھلے دو سال میں کملا کا جسم خوب بھر گیا ہے ۔ اُس کا حُسن بھی دو بالا ہو گیا ہے ۔ زیور ۔ کپڑے اور سہاگ کے نور سے اُس کا سارا جسم چمک رہا ہے + ستی کچھ نہ بولی ۔ چُپ چاپ اُس کی طرف دیکھتی رہی ۔ کملا بھی پہلے پہل کوئی بات نہ کہہ سکی ۔ اُسے معلوم ہوتا تھا

گویا یہ ستی جو اِس وقت اس کے سامنے موجود ہے۔ وہ پہلی اصلی ستی نہیں ہے + مفلسی میں پرورش پانے کے باوجود بھی اُس کے چہرہ پر لاثانی چمک اور غیر معمولی رونق ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ کسے کسی نے بالکل جُدا طرز سے گھڑا ہے۔ وہ لمبی ضرور ہو گئی ہے۔ مگر ساتھ ہی دُبلی بھی ہے۔ اُس کے ہونٹوں پر شانتی سے بھرا ہوا تبسم ہے مگر اُس کی بڑی بڑی روشن آنکھوں میں غم کا نشان نظر آتا ہے + اُس کے گلے میں ہاتھ ڈال کر کملا بولی "اری! تو ایسی پتھر ہو گئی ہے۔ کہ آکر ملتی بھی نہیں؟ اگر میں جا سکتی تو بہت پہلے جا کر تجھ سے مل لیتی۔ آٹھ روز کے لئے آئی ہوں۔ تین روز ہو چکے ہیں۔ اور تم سے ملاقات بھی نہیں ہوئی" ستی اُس کی یہ باتیں سُن کر ہنس پڑی +

کملا پھر بولی "تو ایسی بیمار سی کیوں معلوم ہوتی ہے؟"

"بیمار کہاں ہوں؟ ذرا یہ بھی تو خیال کرو۔ آج کتنی مدت کے بعد ملی ہیں" +

"دو برس ہو گئے ہوں گے۔ اور کیا؟ ایسی جگہ جا پہنچی ہوں۔ کہ آنے جانے سے بھی لاچار ہوں۔ نہ معلوم کس قدر کہنے سننے کے بعد اس دفعہ آئی ہوں"۔ کملا یہ بات کہہ کر ہنسنے لگی۔ اُسے ہنستے دیکھ کر ستی کو بھی ہنسی آگئی +

ستی بولی:۔ "کس سے کہہ سن کر آئی ہو؟ گھر کے لوگوں سے"؟ کہنا سُننا کیسا؟ کیا ساس سسرا اپنے بیٹے کی خواہش کے خلاف کچھ کر سکتے ہیں؟

میری جیٹھانی تو کبھی کبھی میکے چلی جاتی تھیں۔ مگر میری قسمت نہیں جاگتی تھی۔ میں جب کبھی اُن سے یہاں آنے کے لئے کہتی۔ تو وہ مذاق کرکے بات ٹال دیتیں۔ کہتیں۔ "ابھی نئی نویلی ہو۔ اِسی لئے اتنی خواہش ہے۔ پہلے ہمارا بھی یہی حال تھا۔ وہ سب ایسے پتھر ہیں۔ کہ میکے آنے کا کبھی نام بھی نہیں لینے دیتے"+

اسی طرح دونوں سہیلیوں میں ہنسی مذاق کی باتیں ہونے لگیں+ کملا کے سُکھ سہاگ کی بات سن کرستی کو واقعی بڑی خوشی ہوئی۔ اُس کے دل میں کبھی کبھی دو سال پہلے کی باتوں کا خیال آجاتا تھا۔ نہ معلوم کملا کس طرح گزارہ کرتی ہوگی۔ کس طرح اپنے دِن کاٹتی ہوگی یہ باتیں سوچ کرستی کا دِل بے چین ہو جاتا تھا+ شادی کے موقع پر کملا کا وہ اُداس اور غمگین چہرہ اور بیراگ بھاؤ ستی کے سامنے آموجود ہوتا تھا۔ اور وہ گھبرا اُٹھتی تھی+ یہی وجہ تھی کہ وہ اس روز سے بشوایشور سے بھی ناراض تھی+

دو سال کے بعد اُس کا سارا فکر جاتا رہا۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ ایک تجسس اُس کے دِل میں اُٹھا۔ نہ معلوم اسے کون سی بات دریافت کرنے کی خواہش ہوتی تھی۔ مگر وہ نامناسب سمجھ کر خاموش ہو جاتی تھی+ اِدھر اُدھر کی بہت سی باتوں کے بعد کملا بولی:۔ "تم بھی تو کچھ اپنی بات کہو"+

"میری کون سی بات ہے جو میں تم سے کہوں"؟

"کیسی ننھی نادان ہے! اتنی سیانی ہو گئی۔ اور پھر بھی کچھ نہیں جانتی! اب تو اتنی بڑی عمر ہو گئی۔ شادی ہو جانی چاہئے"+

"بیاہ کیا یوں ہی ہو جاتا ہے؟ ماں باپ بَر کی تلاش کریں گے۔ گھر بار گروی رکھ کر قرضہ لیں گے پھر کہیں بیاہ ہوگا"+

"کیا کہہ رہی ہے؟ تُو تو اتنی خوب صورت ہے۔ کہ لوگ تجھے بڑی عزت سنکار سے گھر لے جائیں گے"+

"تو لے جائے گی۔ اگر تو اپنا لے تو آج سے تیرے ہی ساتھ رہ پڑوں"۔ یہ کہہ کر ستی ہنسنے لگی۔ مگر کملا کی آنکھیں بھر آئیں۔ وہ اُداس ہو کر بولی:۔"تو اس کا کیا علاج ہوگا"؟

"علاج کیسا؟ میں اسی حالت میں رہوں گی اور ماں باپ کا خون پانی کیا کروں گی+ تم یہ مت سمجھنا کہ کنواری رہنے میں مجھے تکلیف ہے۔ یا میں کنواری رہنا نہیں چاہتی۔ نہیں۔ دُکھ مجھے صرف اس بات کا ہے۔ کہ غریبی کے زمانہ میں جہاں پتاجی کو اور سیکڑوں فکر دامن گیر ہیں۔ وہاں میری شادی کا فکر بھی ان کے سر پر سوار ہو گیا ہے"+ ستی یہ بات ختم کر کے چلنے لگی+

کملا نے کہا:۔"کیوں؟ کیوں؟ چلی کیوں"؟

"اب نہ بیٹھوں گی۔ پھر سڑک پر بھیڑ ہو جائے گی۔ ابھی چلے جانا بہتر ہے"+

"کل پھر آؤ گی"؟

"کل تو نہیں مگر تمہارے جانے سے پہلے ایک روز پھر آؤں گی"
"ستی تم ایسی ہو گئی ہو؟ میں تم سے ملنے کے لئے اتنا تڑپتی ہوں
اور تم کہتی ہو پھر کسی روز آ جاؤں گی - اچھا بہن جیسی تمہاری مرضی
بھائی کو گود میں اٹھا کر ستی ہنستی ہوئی چلی گئی + گھر میں آکر دیکھا
کہ حالت ہی کچھ اور ہے - اس کی تائی غیرت اور نفرت کے ساتھ
اپنی آواز کو پنجم سُر میں چڑھا کر کہہ رہی ہے:- چودہ برس کی سیانی
لڑکی کو بڑے آدمیوں کے گھر بھیجتے ہوئے ذرا شرم نہیں آئی؟ اچھا
آج دیور جی آئیں تو میں اس کا علاج کروں گی - اِس بات کا فیصلہ
کئے بغیر مجھے دانا پانی حرام ہے" +

رات کے آٹھ بجے رام شنکر گھر واپس پہنچے - ساوتری نے
انہیں ہاتھ پاؤں دھونے کے لئے پانی اور بدن پونچھنے کے لئے
تولیہ دیا - پھر وہ پنکھا لے کر انہیں جھلنے لگی + گنگا نے اُن کے آگے
کھانے کی تھالی رکھدی + وہ کھانے بیٹھے - کالی شنکر رو رہا تھا -
ستی اُسے تھپک کر سُلا رہی تھی - مگر وہ نہ سوتا تھا + جب وہ کسی
طرح بھی نہ سویا - تو ستی اُسے بچھونے پر روتے ہی چھوڑ پتا کے پاس
چلی آئی - کالی اور بھی زور زور سے چلانے لگا + ستی نے ساوتری
سے کہا:- "تو جا - میں پتا جی کو پنکھا جھلتی ہوں" ساوتری نے جا کر
بھائی کو گود میں لے لیا - اور اُسے چاند دکھانے اور لوریاں دینے
لگی +

گنگا دروازہ کے پاس کھڑی سوامی کو کھانا کھاتا دیکھ رہی تھی
اس وقت تک جیٹھانی نیند میں مدہوش پڑی خراٹے لے رہی تھی
اب وہ یکایک جاگ اٹھی۔ اور لمبے لمبے قدم بڑھاتی ہوئی آئی۔ رسوئی
کے دروازہ پر مونڈھا بچھا بیٹھا جا رہے جی کی تھالی کے قریب ہی آدھمکی
رام شنکر نے ایک دفعہ سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ اور پھر کھانے
میں مشغول ہو گئے + اب جیٹھانی کو دل پر قابو نہ رہا + بولی:۔ "دنیا
میں کیا ہو رہا ہے؟ کچھ خبر بھی ہے یا نہیں؟ دو دو سیانی لڑکیاں گھر
میں بیٹھی ہیں۔ اُن کا خیال تک نہیں ہے۔ آنکھیں پھوٹ گئی ہیں
کیا؟ ہوش و حواس قائم نہیں رہے؟

رام شنکر نے جواب دیا:۔ "پھر کیا کروں؟ بغیر روپیہ کے کس طرح
شادی ہو سکتی ہے"؟

پھر باپ کیوں بنے تھے؟ دونوں لڑکیاں قابو سے باہر ہو رہی
ہیں۔ اِدھر اُدھر ماری ماری پھرتی ہیں۔ کوئی دیکھنے سننے والا ہی
نہیں ہے۔ ہے پرمیشور! تم دونوں ماں باپ ہو یا قصائی؟ تمہیں
ذرا بھی فکر نہیں ہے۔ تم کس طرح پیٹ بھر کر کھا سکتے ہو"؟

گنگا نے بڑی دھیمی آواز سے کہا:۔ "جی جی! اس وقت یہ باتیں
چھوڑ دو۔ یہ مصیبت تو قسمت ہی میں لکھی ہے" +

یہ سنتے ہی جیٹھانی کے طیش کا پارہ ۱۰۸ درجہ پر چڑھ گیا۔ اس کی
اونچی آواز آسمان کو چیرنے لگی۔ وہ بولی:۔ "اسی واسطے تو میں کبھی

کچھ کہنا نہیں چاہتی - دفع ہو! مرے! مجھے کیا غرض پڑی ہے - جو خواہ مخواہ جھنجھٹ میں پڑوں؟ جب ماں باپ ہی بے فکر بیٹھے ہیں۔ تو پھر میں کون لگتی ہوں؟ تین میں نا تیرہ میں؟ میرے رونے چلانے سے کیا بنتا ہے؟ میں تو بدنام نہیں ہوں گی - کالک کا ٹیکہ میرے ماتھے پر نہیں لگے گا - میرے دشمن میرے نام پر تو نہ ہنسیں گے - میں بھی عجیب دیوانی ہوں! میرا ان باتوں سے تعلق ہی کیا ہے"؟

رام شنکر کو کھانا ختم کرنا دوبھر ہو گیا - اُٹھنے لگے - ستی نے اُن کے پاؤں پکڑ لئے اور بولی :-

"پتا جی! اُٹھو مت - کھا لو"+

غصّے سے پاؤں چھڑا کر رام شنکر بولے :" مرو - تم سب مرو - یا میں مر جاؤں - تبھی چھٹکارا ہو سکتا ہے" - رام شنکر بمشکل یہ بات ختم کرنے پائے تھے - کہ اُن کا دم پھولنے لگا - وہ کھانستے کھانستے بے دم ہو کر بے ہوش ہو گئے + گنگا گھبرائی ہوئی دوڑی دوڑی آئی اور بیٹھ کر سوامی کی چھاتی اور پیٹھ ملنے لگی + ساوتری پنکھا جھلنے لگی + ستی کو تو گویا سانپ سونگھ گیا - ایسی حالت ہو گئی - کہ کاٹو تو لہو نہیں بدن میں - وہ اُسی طرح چُپ چاپ بُت بنی بیٹھی رہی +

جب اُن کی حالت سنبھلی - تو بہت منت سماجت کے بعد رام شنکر نے کھانا کھایا + گنگا سوامی کو پان دینے لگی - ستی جا کر اندر سو رہی جب گنگا نے دیکھا - کہ سوامی کو بالکل آرام ہے - تو وہ بے فکر ہوئی + اُس

نے دیکھا کہ ساوتری چبوترے کے پاس بیٹھی پنکھے سے ستی کو ہٹا رہی ہے۔ گنگا نے پوچھا:۔ "ستی کہاں ہے"؟

"سونے کو چلی گئی ہے۔ تم کھانا نکالو۔ میں جا کر اُسے بُلا لاتی ہوں"

ساوتری نے جا کر پُکارا:۔ "بہن۔ چل کھانا کھائیں" + ستی نے کچھ جواب نہ دیا +

"جی جی! چل۔ اُٹھ۔ ماں بیٹھی ہے"۔ مگر ستی ذرا بھی نہ ہلی +

"اُٹھ جی جی! تیرے پاؤں پڑتی ہوں۔ چل۔ کیا پتا جی کی بات سے ناراض ہو گئی ہے؟ کیا تو اُن کی تکلیف کو نہیں دیکھتی؟ چل اُٹھ دو لقمے کھا لے"+

مُنہ پر سے کپڑا ہٹا کر روتی ہوئی ستی نے جواب دیا:۔ "تُو جا۔ تو اور ماں دونوں جا کر کھانا کھا لو۔ میں نہیں کھاؤں گی۔ آج مجھے بھوک نہیں ہے"+

"مَیں تیرے پاؤں پر سر پٹک کر مر جاؤں گی نہیں تو چل"+

"ساوتری۔ پیاری بہن۔ میری دیوی! جا کر کھا لو۔ میری طبیعت اچھی نہیں ہے"+

"مَیں یہ باتیں نہیں سُننے کی۔ تھوڑا سا کھا کر چلی آئیو"+

گنگا نے آ کر ستی کا ہاتھ پکڑ کر اُٹھایا اور کہنے لگی ہو:۔ "اگر تم سب اس طرح کی باتیں کرو گی۔ تو مَیں کس طرح جیوں گی؟ چل کھا لے"+

آخر کار سب نے مل کر کھانا کھایا+

صبح کے وقت رام شنکر حقہ پی کر بہت دیر تک کچھ سوچتے رہے
اور پھر بولے:۔ "دیکھو! میں آج سے ہی لڑکے کی تلاش کروں گا۔
مگر بس روپیہ پیسہ کے نام کو صرف یہی گھر ہے۔ بر خواہ کیسا ہی کیوں
نہ ہو۔ کم سے کم چار پانچ سو روپیہ کا تو فکر کرنا ہی پڑتا ہے + گھر بیچنے
یا اُسے رہن رکھنے کے سوائے اور کیا چارہ ہے؟ اگر بابو لوگوں کو
مکان رہن کر دینے سے روپیہ مل جائے تو اچھا ہو۔ خیر! جو ہو گا
دیکھا جائے گا۔ اب تو کچھ نہ کچھ انتظام کرنا ہی ہو گا" +

گنگا بولی:۔ "پہلے بر ڈھونڈو۔ روپیہ کا فکر پیچھے کرنا" +

رام شنکر نے جواب دیا "تم یوں کہتی ہو۔ اور میں کہتا ہوں۔ کہ
پہلے روپیہ کی ضرورت ہے۔ جتنے روپیہ کا انتظام ہو سکے گا۔ اُس کے
مطابق بر تلاش کیا جائے گا + بیٹی کے لئے اس دفعہ گھر بار بھی جائیگا" +

گنگا نے گھر کے اندر جا کر دیکھا۔ کہ ستی پڑی سو رہی ہے۔ اُس نے
یہ باتیں نہیں سُنیں۔ گنگا نے اطمینان کا سانس لیا +

پانچواں باب

بشویشور کی موسی اَن پورنا دیوی نے ساوتری کے برت کا
اُدیاپن کیا ہے۔ اس لئے اُن کے گھر میں خوب چہل پہل ہو رہی ہے +
بڑے بڑے چولھے بنائے گئے ہیں۔ جن پر طرح طرح کا کھانے پینے کا

سامان پک رہا ہے۔ حلوائی مٹھائیوں کے تھال لالا کر تول رہے ہیں۔
گوالوں نے دودھ اور دہی سے بھری ہوئی ہانڈیوں سے دالان
بھر دیا ہے۔ پڑوسی اڑوسی کاٹھ کی بڑی بڑی کٹھوتیوں میں زور
زور سے میدہ گوندھ رہے ہیں۔ براہمنوں کے سرتاج رسوئیے (باورچی)
ہاتھوں میں سُدرشن چکر کی مانند جھرنا لئے پُوریاں بنا رہے ہیں۔
چاروں طرف اِن کی مہک پھیل رہی ہے۔ پتلوں اور مٹی کے کوزوں
کا صحن میں ایک طرف ڈھیر لگا ہوا ہے۔ جو گھر ہر وقت سُنسان رہتا
تھا۔ آج اُس نے سارا گاؤں اپنے سر پر اُٹھا رکھا ہے + موسی جو کچھ
مانگتی ہے۔ بشویشور پھرتی سے لا کر مہیا کر دیتا ہے + برت ختم ہو گیا۔
انّ پورنا دیوی بگیہ کا نشان یعنی ٹیکہ ماتھے میں لگائے اور ریشمی کپڑے
پہنے مجسم شانتی کی طرح اِدھر سے اُدھر یہ دیکھتی پھر رہی ہے۔ کہ کہیں کسی
چیز کی ضرورت تو نہیں ہے +

آخر براہمن بھوجن ختم ہوا۔ انّ پُورنا کے ہاتھ سے پان جنیئو اور دکھشنا
لے براہمنوں نے اُسے اشیرباد دی۔ محبت کے آنسوؤں سے بھری ہوئی
آنکھوں سے انّ پُورنا نے بشویشور کی طرف اشارہ کر کے کہا: "آپ سب
لوگ مل کر یہی دُعا دیں۔ کہ یہ میرا نورِ چشم ہمیشہ شاد و آباد رہے"!
پھر بڑی عزت سے سہاگنوں کو کھانا کھلایا گیا۔ گنگا کو اپنی دونوں
بیٹیوں ستی اور ساوتری کے ساتھ مدعو کیا گیا تھا۔ انّ پُورنا پریم سے
بار بار ستی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ پان الائچی لے کر جب سب سُہاگنیں

گھر جانے لگیں - تو ان پُورنا نے خندہ پیشانی سے گنگا کو مخاطب کر کے کہا :- "بہو! ذرا بیٹھو - ٹھیر کر جانا - مجھے تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں" +

جب کام دھندا ختم ہو گیا - تو ان پُورنا ایک مونڈھا لے کر گنگا کے قریب آ بیٹھی - اور بولی - "کیوں بہو! تمہاری بڑی لڑکی کی کیا عمر ہے"؟

گنگا نے اُداس چہرہ سے جواب دیا "کوئی تیرہ چودہ سال کی ہو گی" +

"کہیں شادی کی بات ٹھہری یا نہیں"؟

ناطہ کے لئے کوشش تو بہت کی جا رہی ہے - مگر اب تک کہیں رشتہ قرار نہیں پایا" +

"ایسی خوب صورت لڑکی کو تو لوگ لڑ جھگڑ کر گھر لے جائیں گے - پھر اتنی دیر کیوں ہو رہی ہے"؟

گنگا چُپ رہی - اَن پُورنا پھر کہنے لگی :- "بشو لیشور کے لئے بھی کہیں ایسی ہی دُلہن مل جاتی - تو کیا ہی اچھا ہوتا"!

ستی سر جُھکائے بیٹھی تھی - شرم کے مارے پسینہ پسینہ ہو گئی +

گنگا نے ہلکی سی آواز میں جواب دیا "بہن! بشو لیشور کے لئے لڑکیوں کی کیا کمی ہے؟ اِس سے بھی ہزار درجہ بڑھ چڑھ کر ملیں گی" +

"نہیں - تمہاری دونوں لڑکیوں کی لوگ بہت تعریف کرتے ہیں - اتنی بڑی ہو گئی ہیں - اور میں نے آج تک بھی اُنہیں نہیں دیکھا تھا + خیر! ان باتوں کو جانے دو - ان میں کیا رکھا ہے؟ میں تمہیں قول دیتی ہوں بڑی لڑکی مجھے دے دو" +

گنگا گم سم رہ گئی۔ اُس نے بڑی مشکل سے جواب دیا۔" بہن! کیا میری بیٹی ایسی خوش قسمت ہے کہ..........."

"اب یہ باتیں چھوڑ دو۔ ایسی لڑکی کی قسمت نہ ہوگی۔ تو پھر کس کی ہوگی؟ یہ لڑکی تو پوری پوری راج لکشمی ہے۔ بیٹی تجھے پسینہ آرہا ہے آ ذرا پنکھا کر دوں" +

ان پُورنا دوپٹہ کے آنچل سے ستی کو ہوا جھلنے لگی۔ مگر اُسے اور بھی زیادہ پسینہ آگیا ہے۔ ساوتری اُٹھ کر اپنی بہن کے پاس آ بیٹھی اور مسکراتی ہوئی اس کی طرف دیکھنے لگی۔ گنگا نے ان پُورنا کو کہا:۔

"بہن! رات ہوگئی ہے۔ اب میں جاتی ہوں" +

"میری بات کا کیا جواب دیا؟"

"بہن! اگر میری ستی کو تم اپنے قدموں میں قبول کر سکو۔ تو اس کی اس سے زیادہ کیا خوش قسمتی ہوگی؟ اگر وہ تمہاری ہو تو اس میں ہمیں کیا کہنا سننا؟ لیکن شمبھو بیشور کی رضامندی بھی تو ضروری ہے" +

"اگر ستی اسے پسند نہ آئی تو میں سمجھ لوں گی۔ کہ اس کی قسمت میں شادی لکھی ہی نہیں + لیکن بہو! یہ خیال رکھنا کہ بات کہیں پھیل نہ جائے کیونکہ لڑکا بڑا ضدی ہے۔ اگر دوسرے کی زبان سے یہ بات سنے گا۔ تو شاید کچھ ضد کر بیٹھے۔ میں آہستہ آہستہ ٹھیک کر لوں گی + لیکن تم شک شبہ مت کرنا۔ دنیا میں ایسا کوئی لڑکا نہ ہوگا۔ جسے تمہاری لڑکی پسند نہ آئے۔ میں تمہیں زبان دے چکی ہوں۔ اب دو ماہ تک صبر کرو" +

گھر آکر گنگا نے یہ سب باتیں بھٹاچاریہ جی سے کہیں۔ رام شنکر کچھ غنودگی کی حالت میں تھے۔ فوراً اُٹھ بیٹھے۔ مارے خوشی کے سب کچھ بھول گئے اور کہنے لگے "اب فکر کا ہے کا؟ بشویشور بہت اچھا لڑکا ہے۔ وہ ہرگز روپیہ نہ مانگے گا۔ چلو گھر تو بچ گیا۔ خرچ کے لئے تھوڑا سا روپیہ قرض لے کر گزارہ ہو جائے گا۔ قرضہ رفتہ رفتہ ادا کر دیا جائے گا۔ کیوں"؟

گنگا بولی "ابھی سے یہ باتیں مت سوچو۔ قسمت اچھی ہو گی تبھی شادی ہو گی۔ ابھی کیا کہا جا سکتا ہے"؟

"نہیں۔ نہیں۔ وہ لوگ بات کے پکے ہیں۔ بشویشور بہت شریف لڑکا ہے۔ اور میری لڑکی کیا روپ اور گُن میں کسی سے کچھ کم ہے؟ تم ہی بتلاؤ سارے گاؤں میں اور کسی کی لڑکی بھی ہے ایسی"؟

گنگا خاموش ہو رہی۔ یہ رشتہ کی تجویز اُس کے دل کو نہ لگتی تھی۔

دو چار دن بعد ان پورنا نے ستی اور ساوتری کو اپنے گھر بلوایا۔ ستی شرماتی تھی۔ مگر گئے بغیر بھی گزارہ نہ ہو سکتا تھا۔ اِس لئے گئی۔ ان پورنا نے دونوں کو بڑے پریم سے اپنے پاس بٹھایا۔ اور باتیں کرنے لگی۔ نہانے کے بعد دھوتی پہن کر جنیئو رگڑتا ہوا بشویشور کھانا کھانے کے لئے موسی کے پاس آیا۔ دونوں لڑکیوں کو دیکھ کر پہلے تو بشویشور کچھ رُکا۔ مگر سیدھا موسی کے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔ اور بولا۔

"موسی! یہ کس کی لڑکیاں ہیں"؟

"ذرا پہچان تو کس کی ہیں"؟

بشویشور غور سے دیکھنے لگا۔ ستی نے شرم سے سر جھکا لیا۔ ساوتری
بھی شرما رہی تھی۔ کیونکہ وہ ان پورنا کا مطلب سمجھ گئی تھی۔ بشویشور نے
کہا:۔"موسی! وہ تو ستی معلوم ہوتی ہے۔ اور یہ کون ہے"؟
"ستی کی بہن ساوتری۔ دیکھ بیٹا! کیسی بھلی لڑکیاں ہیں"!
"ہاں موسی! پر آج بھی کوئی برت ہے۔ جو انہیں بلایا ہے"؟
"کیا برت یا تیتھ تیوہار کے سوا اپنوں کو کبھی نہ بلانا چاہئے؟ خیر! تو
بیٹھ کر ان سے باتیں کر۔ اور میں جا کر تیرے لئے چاول پروستی ہوں"۔
ان پورنا چلی گئی۔ بشویشور ایک دریچہ میں جا بیٹھا اور بولا "ستی!
تمہارے چھوٹے بھائی کا کیا نام ہے؟ اُسے کیوں نہیں لائیں"؟
ستی کا شرم کے مارے دم نکل رہا تھا۔ اُس کے رخسار گلاب
کی طرح سُرخ ہو رہے تھے۔ کانوں میں سائیں سائیں ہو رہی تھی اور
پیشانی پسینہ سے گیلی تھی۔
اپنی بہن کی یہ حالت دیکھ کر ساوتری بول اٹھی "اُس کا نام کالی
شنکر ہے۔ وہ سو رہا تھا"۔
"ساوتری تمہارا ہی نام ہے"؟
"ہاں"۔
تم بہت چھوٹی سی تھیں۔ تو میں نے تمہیں دیکھا تھا۔ اس لئے پہچان
نہ سکا۔ ستی کو تو کئی دفعہ دیکھا ہے۔ خیر! ستی! تم کچھ پڑھی بھی ہو یا نہیں؟
تم نے کیا کیا کتابیں پڑھی ہیں؟ رامائن یا مہابھارت پڑھا ہے یا نہیں؟

ستی جواب نہ دے سکی۔ مگر اُس کا اس قدر شرمانا بشویشور کو ناگوار گزرا۔ وہ دل میں ناراض ہوگیا+ ساوتری نے پھر ستی کی طرف سے جواب دیا "جی جی نے رامائن اور مہابھارت دونوں کتابیں پڑھی ہیں"+

"اور تم نے؟"

اِس مرتبہ ساوتری نے سر نیچے جھکا لیا+

کھانا کھا کر جب دونوں لڑکیاں اپنے گھر کو چلی گئیں۔ تو موسی نے بشویشور سے پوچھا:۔ "بتا تو سہی دونوں لڑکیوں میں زیادہ خوب صورت کون سی ہے؟"

بشویشور نے حیرت کے ساتھ جواب دیا:۔ "زیادہ خوب صورت! دونوں ہی اچھی ہیں۔ یہ تو مَیں نے غور نہیں کیا کہ کونسی زیادہ خوب صورت ہے اور کونسی کم۔ مگر موسی! تم یہ بات پوچھ کیوں رہی ہو؟"

"یہ معلوم کرنے کے لئے کہ تجھے اب تک بھی کچھ سمجھ آئی ہے یا نہیں ستی کیسی خوب صورت لڑکی ہے! اُس پر سے نظر ہٹانے کو جی نہیں چاہتا"+

"واقعی! ممکن ہے+ دونوں لڑکیاں بڑی سوشیل ہیں۔ ہاں موسی! یہ تو بتاؤ کہ اب ان کے گھر میں کسی قسم کی تکلیف تو نہیں ہے"+

"تکلیف اور تو کچھ نظر نہیں آتی۔ لیکن چونکہ لڑکی سیانی ہوگئی ہے اس لئے اُنہیں ہر گھڑی اُس کا فکر دامن گیر رہتا ہے"+

"کیوں؟ فکر کیا"؟

"یہ کیا کچھ کم فکر کی بات ہے کہ لڑکی کی شادی نہیں ہوتی"؟ ایسی خوب صورت لڑکیاں ہیں۔ مگر پھر بھی کہیں ٹھیک ٹھکانہ نہیں لگتا اچھا گھر بر نہیں ملتا۔ اور ملے بھی کس طرح؟ روپیہ تو پاس ہے نہیں"

بشو یشور نے خوش ہو کر کہا:۔ "موسی! پھر اُنہیں کچھ روپیہ اُدھار کیوں نہیں دے دیتی؟ بے چارے بڑی مصیبت میں ہیں"۔

خفا ہو کر موسی بولی:۔ "جیسے میرے گھر میں تو روپیہ رکھنے کے لئے جگہ نہیں رہی! خوب نصیحت کرنے آیا ہے۔ اور روپیہ ہونے سے کیا اچھا بر مل جائے گا؟ کیسی خوب صورت اور سوشیل لڑکی ہے! اُس کے لئے بر بھی آسانی سے نہیں مل سکتا"۔

"موسی! یہ بات بالکل ٹھیک ہے۔ خیر میں ڈھونڈھ دوں گا لیکن دیکھو اگر میں بر تجویز کر دوں۔ تو تم روپیہ تو دے دو گی نہ؟"

اب تو موسی سے رہا نہ گیا۔ بولی:۔ "جا! تیرے ساتھ کون مغز کھپائے۔ بھلا کہیں ایسے لڑکے بھی ہوتے ہیں"؟

لڑکا موسی کی ناراضگی کا مطلب نہیں سمجھ سکا۔ اور ہنستا ہوا اپنے مطالعہ کے کمرے میں چلا گیا۔

اِس بات کو ایک مہینہ گزر گیا۔ بشو یشور ایک روز رام شنکر کے گھر کی طرف سے آ رہا تھا۔ اُس نے دیکھا۔ کہ ننگا منگا کالی ایک بچھڑے سے کھیل رہا ہے۔ وہ کھیل میں اس قدر محو ہے۔ کہ

اُس نے یہ بھی نہیں دیکھا - کہ گائے اسے مارنے کے لئے دوڑی آرہی ہے + بشویشور نے لپک کر کالی کو گود میں اُٹھا لیا - گائے لڑکے کا خیال چھوڑ اپنے بچھڑے کی طرف دوڑی + بشویشور نے بڑے پیار سے لڑکے سے پوچھا:- "بابو! تمہارا کیا نام ہے"؟

"بابو نہیں - مَیں کالی پد ہوں" +

"اچھا کالی! اگر گائے تمہیں مارتی تو تم کیا کرتے"؟

"اوہ! میں اُسے لاٹھی سے مارتا" +

لڑکا ابھی تک کانپ رہا تھا - اور بشویشور اُسے پُچکار رہا تھا + اسی وقت کسی نے دروازہ کے قریب اندر سے پُکارا "کالی"! بشویشور نے پھر کر دیکھا - کہ ستی کھڑی ہے +

ستی ٹھٹھک کر کھڑی ہو گئی - بشویشور نے نزدیک آکر کہا:- "ابھی گائے بچہ کو مارے بغیر نہ چھوڑتی - بچوں کو ذرا احتیاط سے رکھنا چاہئیے" +

ستی خاموش رہی + جب بشویشور کالی کو اس کی گود میں دینے کو بڑھا - تو وہ ذرا پیچھے کو ہٹ گئی - وہ ڈرتی تھی کہ کہیں کوئی دیکھ نہ لے + لاچار بشویشور نے کالی کو گود سے نیچے اُتار دیا اور کہا:- "اسے گود میں لے لو - بچہ اب تک مارے ڈر کے کانپ رہا ہے" +

ستی نے بھائی کو گود میں لے لیا + اگر بھائی ڈر کے مارے کانپ رہا تھا - تو ستی شرم سے کانپ رہی تھی +

بشویشور نے کہا: "تم دونوں پھر موسی کے پاس نہیں آئیں"؟ کوئی جواب دئے بغیر ستی گھر کے اندر چلی گئی۔ بشویشور کو بڑا بُرا معلوم ہوا۔ اور وہ وہاں سے چلا آیا +

دو مہینے اسی طرح گزر گئے + موسی نے سوچا کہ لڑکا بڑا بدھو ہے۔ اُسے صاف صاف کہہ دینا چاہئے۔ ورنہ اس جنم میں نہ تو وہ کبھی میرا مطلب سمجھے گا۔ اور نہ کبھی سمجھنے کی کوشش یا خواہش کرے گا + ایک روز لڑکے کو قریب بُلا کر ان پورنا اُس سے یوں گویا ہوئی۔ "میں نے تیری شادی کا انتظام ٹھیک کر لیا ہے۔ اگلے مہینے میں ستی کے ساتھ تمہاری شادی ہو گی" +

بشویشور بڑا حیران ہوا۔ حیرت کو ذرا چھپا کر بولا "موسی! یہ کیا؟ ستی تو ہماری رشتہ دار ہے" +

"اس سے کیا؟ اپنی ذات کی تو نہیں۔ دور کا تعلق ہے۔ اس لئے شادی میں کوئی رُکاوٹ نہیں" +

"رُکاوٹ کیوں نہیں؟ اس کا بھائی ہری تو مجھے بھائی کہہ کر پُکارتا ہے۔ وہ سب بھی تو اب تک مجھے وِشو بھیّا کہہ کر بُلایا کرتی تھیں۔ رام! رام! موسی! یہ تم کیا کہہ رہی ہو"؟

"تو کیا تو بیاہ نہیں کرائے گا؟ اگر پھر کبھی کرایا تو ایسی لڑکی کس طرح ملے گی"؟

"موسی! ایک کیا بہت ملیں گی۔ اور ایسی نہ ملی تو نہ سہی تمہیں

تو لڑکی ہی چاہیئے ۔ بس اتنا دیکھ لیں گے کہ وہ بدصورت تو نہیں۔ اس کے متعلق میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ پوری احتیاط رکھونگا۔ تم اس وقت مجھ سے بیاہ شادی کا ذکر مت کرو"۔

"اگر اِس وقت نہیں تو پھر کب بیاہ کرے گا؟ چوبیسواں سال جا رہا ہے ۔ اب بھی لڑکپن کی باتیں نہیں چھوڑتا ۔ اچھا ۔ دیکھ لے میں آخری مرتبہ کہتی ہوں ۔ کہ مَیں قول دے چکی ہوں ۔ مجھے اُن کی نظروں میں بے عزت نہ کرنا ۔ دو مہینے سے وہ لوگ میری راہ دیکھ رہے ہیں ۔ اگر تو میری بات منظور نہ کرے گا تو میں گھر چھوڑ کر چلی جاؤں گی"۔

بشنو ایشور لاچار ہو گیا ۔ دُکھی ہو کر بولا " موسی! جس طرح اب تک معاف کیا ہے اسی طرح سال چھ مہینے اور بھی معاف کرو ۔ مَیں تمہارے پاؤں پڑتا ہوں ۔ مجھے اپنا دل اچھی طرح سے مضبوط بنا لینے دو"۔

"دِل کو کیا مضبوط کرے گا؟ کیا اور لوگ دنیا میں شادی نہیں کرتے؟"

"کرتے کیوں نہیں؟ لیکن مَیں نے تو اب تک شادی نہیں کرائی اس لئے ڈرتا ہوں ۔ میں نے اب تک اپنا دِل آزاد رکھا ہے اور آیندہ بھی رکھنا چاہتا ہوں ۔ لیکن اگر تم اس طرح کرو گی تو میری امیدوں پر پانی پھر جائے گا ۔ خیر! موسی! مجھے پھر بھی کچھ مہلت

دو۔ مجھے اس طرح باندھ کر مت مارو۔"

مایوس ہو کر موسی نے کہا: "بشویشور! وہ ایک سال تک لڑکی کا بیاہ نہیں روک سکتے۔ میں کس طرح انہیں منہ دکھاؤں گی؟ اب مجھے اس گاؤں کو ہمیشہ کے لئے خیر باد کہنا پڑے گا۔"

"تم گاؤں چھوڑ دو گی تو میں بھی چھوڑ دوں گا۔ دیکھو موسی! میں اُن کے لئے اپنے سے بہتر بَر تلاش کر دوں گا۔ شادی کا جو کچھ خرچ ہو گا وہ بھی سب دے دیا جائے گا۔ پھر تو انہیں کسی قسم کی تکلیف نہ ہو گی"؟

"جو جی میں آئے کر۔ لیکن بشویشور! یاد رکھ۔ تو نے بہت اچھی لکھشمی پاؤں سے ٹھکرا دی۔ اپنے اس فعل کے لئے تجھے ساری عمر پچھتانا پڑے گا۔"

مایوس ہو کر موسی چُپ ہو گئی۔ اُس کے دل کو بڑی چوٹ لگی بشویشور اس بات کو سمجھتا تھا۔ مگر وہ اپنے خیالات کو تبدیل نہ کر سکا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ گویا اُس نے شادی نہ کرنے کا عہد کر لیا ہے۔ کسی طرح اُس کا دل شادی کی طرف نہ جھکتا تھا۔ اب وہ سمجھ گیا۔ کہ موسی نے ستی کو کیوں اپنے گھر بلایا تھا۔ اس بات کو نہ جاننے کے سبب جس طرح بشویشور نے ستی سے گفتگو کی تھی۔ اور وہ شرم کے مارے زمین میں گڑی جاتی تھی۔ وہ سب باتیں اب اس کو یاد آ گئیں۔ اور وہ بول اُٹھا: "افسوس! میں نے بہت بُرا کیا!"

اگلے روز بشویشور رام شنکر کے گھر گیا۔ اور بڑی اپنائت دکھا کر کہنے لگا:۔ "میں نے ایک بہت اچھا لڑکا تجویز کیا ہے۔ اور بھائی کو بہن کی شادی میں جو اختیار اور حق حاصل ہے۔ اس کے مطابق اس شادی کے کُل اخراجات میں اپنے ذمہ لینا چاہتا ہوں" +

رام شنکر کو مارے غصہ کے چاروں طرف کچھ نہ سُوجھتا تھا۔ ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا نظر آتا تھا۔ اُن کے دل پر بڑی چوٹ لگی۔ اُنہوں نے سوچا:۔ "کیا میری لڑکی ایسی ذلیل ہے"؟ پھر بڑے غرور سے جواب دیا:۔ "بھائی! میں پہلے ہی تمہارا بہت احسان مند ہوں۔ اب اور احسان میرے سر پر مت لادو۔ میں اپنی لڑکی کی شادی کا انتظام خود ہی کروں گا۔ تم اس بارے میں ذرا بھی فکر نہ کرو" +

بشویشور نے سمجھانے بُجھانے کی بہتیری کوشش کی۔ مگر برہمن نے ایک نہ مانی + آخر اُداس ہو کر وہ گھر چلا آیا۔ اور اپنی موسی کو سب حال کہ سُنایا + موسی نے شرم۔ دُکھ اور غرور سے کہا:۔ "اب میں یہاں نہیں رہ سکتی۔ کچھ دنوں کاشی جا کر رہوں گی۔ میں اِن لوگوں کو کس طرح مُنہ دکھلاؤں گی؟ میرے بھیجنے کی تیاری کر دے" +

بشویشور نے چُپ چاپ سب انتظام کر دیا + موسی کاشی کو روانہ ہوئی۔ پہلے تو یہی طے پایا تھا۔ کہ بشویشور سٹیشن پر پہنچا کر لوٹ آئے گا۔ مگر پھر وہ بھی گاڑی میں سوار ہو گیا + موسی نے پُوچھا۔ تو

کہاں جائے گا"؟

"جہاں تم جاؤ گی - موسی! کیا تم مجھے پھر بے ماں کا کر کے چلی جاؤ گی؟ ماں کے مرنے سے مَیں بے ماں کا نہیں ہوا تھا - کیونکہ تم میرے پاس موجود تھیں - مگر اب تم مجھے چھوڑ کر بے ماں کا بنایا چاہتی ہو"؟

اَن پورنا کچھ جواب نہ دے سکی - اُس نے بشویشور کا سر چُپ چاپ اپنی گود میں کھینچ لیا +

چھٹا باب

جب آدمی کا سب کچھ جاتا رہتا ہے - اُس وقت جس طرح اُس کے دل کو ایک قسم کی بے فکری سی ہو جاتی ہے - جس طرح بیمار کے تکلیف سے بے چین چہرہ پر موت کے پیشتر شانتی کی زردی چھا جاتی ہے - اُسی طرح ستی کی شادی کر دینے کے بعد رام شنکر نے بھی آزادی کا سانس لیا - گویا ان کی جان میں جان آئی + نوگرام کے رہنے والے تین کوڑی لاہری نے صرف تین سو روپیہ نقد بطور جہیز قبول کر کے ستی کو اپنی زوجیت میں قبول کر لیا - یا یوں سمجھو - کہ اسے اپنی زوجہ کا خطاب دے دیا - کیونکہ وہ شادی کے بعد اپنے سسرال کو نہیں گئی + لاہری جی نے اپنی بے غرضی اور ایثار نفسی دکھلانے اور رام

شنکر بھٹا چاریہ کی ذات اور خاندان کی عزت کو محفوظ رکھنے کے لئے ہی
یہ کام کیا تھا + انہیں جب کبھی روپیہ کی ضرورت محسوس ہوتی ۔ تو بیٹی
کے بوجھ تلے دبے ہوئے کسی ایسے ہی کنبے کو تلاش کر لیتے ۔ اور لڑکی
والوں کا بوجھ اتار کر اپنی ضرورت بھی رفع کر لیتے تھے + اب انہیں خوف دامنگیر
ہو گیا تھا ۔ کہ میرا کاروبار بہت دیر تک جاری نہیں رہ سکے گا ۔ کیونکہ چتر گپت
اُن کی زندگی کا حساب کتاب تیار کر رہا تھا ۔ اس لئے انہوں نے کمر کس لی تھی ۔ کہ
اپنی باقیماندہ زندگی کے بچے کھچے دنوں میں جتنا پروپکار ہو سکے کر لیا
جائے + لیکن ابھی ان کی بات چھوڑ دیجئے ۔ ہم رام شنکر کا ذکر کر رہے
تھے ۔ رام شنکر اس وقت بے فکر ہیں ۔ انہیں یہ خوف تھا ۔ کہ لڑکی
کی شادی نہ کر سکنے کے سبب شاید برادری سے خارج کر دیا جاؤں ۔
اس سے نجات مل گئی ۔ روپیہ پیسہ دھن دولت کی جگہ صرف ایک
ٹوٹا پھوٹا مکان تھا ۔ وہ بھی ایک کوٹھی والے کے نام ساڑھے تین
سو روپیہ پر رہن کر دیا + گھر بار سے بھی بالکل بے فکر ہو گئے ۔ کیوں کہ
انہیں خوف معلوم ہوتا تھا ۔ کہ رہن کا روپیہ اس جنم میں کبھی ادا نہ
ہو سکے گا + بس اب صرف دس روپیہ ماہوار ۔ اور اپنے روگی
جسم کا سہارا رہ گیا ۔ بھٹا چاریہ جی بھی خوب جانتے ہیں ۔ کہ موت
آنے میں اب زیادہ دیر نہیں ہے + جتنے دن جی سکیں وہی غنیمت ہیں +
سچ پوچھو تو اب انہیں زندگی بھی وبال جان معلوم ہوتی ہے ۔ اگر ستی
سامنے آتی ہے ۔ تو اسے دھتکار دیتے ہیں ۔ اگر کسی روز بڑا لڑکا گھر

آجاتا ہے۔ تو اُسے گالی گلوچ دے کر گھر سے باہر نکل جانے کو کہتے ہیں+ چھوٹے لڑکے کو مارتے پیٹتے ہیں۔ اگر ساوتری سامنے آجائے تو اُسے دیکھ کر اپنا منہ پھیر لیتے ہیں۔ بھاوج اور بیوی سے کبھی جی کھول کر دو باتیں نہیں کرتے+ بیٹا بیٹی کبھی روتے ہیں۔ کبھی مچلتے ہیں۔ جیٹھانی شور وغل مچا کر آسمان سر پر اٹھا لیتی ہے۔ مگر گنگا کبھی کچھ نہیں بولتی۔ چپ چاپ پڑی پڑی روتی رہتی ہے۔ کسی کسی روز رام شنکر کے کلیجے کا درد اور دمہ کی تکلیف زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ رات بھر ہائے ہائے ہوتی رہتی ہے۔ رام رام کر کے دن نکلتا ہے۔ اس وقت جو لوگ رام شنکر کی خدمت کرتے ہیں۔ انہیں بھی وہ جلی کٹی سنانے سے نہیں چوکتے۔ مگر وہ لوگ چپ چاپ سب کچھ برداشت کر لیتے ہیں+

اسی حالت میں ستی کی شادی کے بعد چھ ماہ کا عرصہ گزر گیا+ رفتہ رفتہ بھٹا چار یہ جی کا جسم بالکل ضعیف و ناتواں ہو گیا+ مگر کوٹھی کے کام میں انہوں نے کبھی سستی یا لاپروائی نہ کی+

ایک روز سویرے ہی آسمان پر گھنگھور گھٹا چھائی ہوئی تھی ستی اور ساوتری گھر کے کام دھندے میں مشغول تھیں۔ ہاتھ کا کام چھوڑ کر گنگا بے دل سی ہو کر بار بار دروازے کی طرف جھانکتی تھی+ ایسا خراب دن ہے۔ سوامی جی اب تک نہیں آئے کب آئیں گے۔ ہاتھ میں مالا لے کر جیٹھانی فوراً سارے گاؤں میں چکر

لگا آئی - اس نے سوچا - کہ اب چاروں طرف لڑکیوں کی نندا کرنے کا موقعہ ہے - ورنہ پھر کسی دوسرے دن پر بات جا پڑے گی - اور خواہ مخواہ انتظار کرنا ہوگا +

یکایک بڑے زور کی آندھی آئی - چھپروں کے کھپچے گرنے لگے ٹوٹا پھوٹا مکان تھر تھر کانپ اُٹھا - صحن میں سیاہ بادلوں کے چھا جانے کے سبب اندھیرا چھا گیا - کیلے کے پودے زمین سے جا لگے - چبوترے کے آم کے درخت سے آم گرتے دیکھ کر جیٹھانی آم چکنے لگی + اور کوئی نہ ملا تو آندھی طوفان ہی کو گالیاں دینا شروع کر دیا + جب ستی نے دیکھا کہ کالی بھی آم اُٹھانے کے لئے تیار ہے تو اُسے گود میں لے کر وہ اس کی توجہ اس طرف سے ہٹانے لگی + جیٹھانی اُسے بھی کھری کھوٹی سنا رہی تھی - مگر اس کی تیز آواز آندھی کے تُند جھونکوں میں مل جاتی تھی +

گنگا دیوی دروازے پر کھڑی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دور تک دیکھ رہی تھی - ساوتری کی خوف زدہ بے چین آنکھیں ماں کے چہرہ پر گڑی ہوئی تھیں - اُس کے کھلے ہوئے رُوکھے بال ہوا میں اُڑ رہے تھے - اور اُس کے چہرہ سے صاف عیاں تھا - کہ مصیبت کی ماری بیچاری خوف سے بے چین ہو رہی ہے + ایک دفعہ اُس نے آہستہ سے پکارا - "ماں"!

پر ماں نے کچھ جواب نہ دیا + بُوندیں بڑے زور سے پڑنے

لگیں - جیٹھانی دوڑی ہوئی واپس آ رہی تھی - کہ پاؤں پھسل گیا اور دھم سے گر پڑی + ساوتری دوڑ کر گئی - اور اسے اُٹھانے لگی + چوٹ لگنے کے سبب جیٹھانی رو پڑی - مگر گنگا پھر بھی پتھر کے بُت کی طرح بے حس و حرکت اور خاموش کھڑی رہی +

نیچر میں خوفناک جنگ جاری تھی - دُنیا تہ و بالا ہو رہی تھی - اوپر کی چیز نیچے اور نیچے کی چیز اوپر ہو رہی تھی - چاروں طرف آندھی کی مہیب آواز سُنائی دے رہی تھی - اس شور کے باوجود بھی گنگا نے باہر کسی چیز کے گرنے اور گون گون کرنے کی آواز سُنی - وہ فوراً دوڑی - اس کے ساتھ ہی ستی اور ساوتری بھی دوڑیں - بار بار پاؤں پھسلتا تھا - مگر پھر بھی وہ سب دوڑی ہوئی ڈیوڑھی پر جا پہنچیں +

دروازہ سے باہر رام شنکر مُنہ کے بل گرے پڑے تھے + گنگا نے جا کر انہیں اُٹھایا + دونوں لڑکیاں بڑی دردناک آواز میں رونے لگیں +

گنگا بولی "چُپ رہو - چُپ رہو - میں اکیلی نہیں سنبھال سکتی تم بھی پکڑو" +

گنگا اُس وقت بید کی مانند کانپ رہی تھی - اس کی آنکھوں کے سامنے خوفناک اندھیرا چھا گیا + تینوں مل کر بڑی مشکل سے بے ہوش بھٹا چاریہ جی کو گھر کے اندر لائیں - پاؤں کی چوٹ سے جیٹھانی بھی کراہ رہی تھی - لیکن اس حادثہ سے وہ بھی خاموش ہو گئی + ستی

نے پکارا۔ "تائی! جلدی آگ سلگاؤ" +

لنگڑاتی لنگڑاتی جیٹھانی اُٹھ کر انگیٹھی میں آگ سلگانے لگی + رام شنکر کے بھیگے ہوئے کپڑے اتارے۔ جسم کو خوب پونچھ کر نئے کپڑے پہنائے۔ اور پھر اُنہیں پلنگ پر لٹا دیا گیا + اُس وقت اُنہیں ہوش نہ تھا۔ ایک ٹوٹے ہوئے صندوق میں سے فلالین کا پھٹا ہوا ٹکڑا نکال کر ستی اُس سے پتا کے ہاتھ پاؤں ملنے لگی + اس عرصہ میں آگ بھی جل گئی۔ کپڑا گرم کر کے ہاتھ پاؤں کو بھی سینکا + گنگا اور ستی اس طرح خاموش کھڑی تھیں۔ گویا اُن کے بدن میں جان نہ تھی۔ ساوتری نے بھرائی ہوئی آواز سے پکارا "پتا جی!"

اب تک سہما ہوا کالی ایک کونہ میں دبکا کھڑا تھا۔ ساوتری کی آواز سن کر اُسے کچھ حوصلہ ہوا۔ اور وہ رونے لگا +

ستی بولی۔ "کالی! روتا کیوں ہے؟ پتا جی تو اچھے ہیں۔ چپ رہ" + پھر ماں سے کہا۔ "ماں! تھوڑا سا دودھ گرم کر دو" +

دبی زبان سے گنگا نے جواب دیا۔ "تو ہی جا کر لے آ۔ مجھ سے نہیں اُٹھا جاتا" +

ستی دودھ گرم کر کے لائی اور چمچے سے تھوڑا تھوڑا کر کے پتا کو پلانے لگی + اب رام شنکر کو کچھ ہوش آیا۔ اُنہوں نے دودھ پی کر کئی مرتبہ بڑے زور سے سانس لیا۔ سب لوگ سنبھل بیٹھے اُس وقت تک کسی کو ہاتھ پاؤں ہلانے کی بھی جرأت نہ تھی + رفتہ

رفتہ رفتہ رام شنکر کی آنکھیں کھلیں ۔ اور وہ کروٹ بدلنے کی کوشش کرنے لگے ۔ ستی نے پکارا۔ "پتاجی!"

لڑکی کی طرف دیکھ کر رام شنکر بولے: "کون ہے؟"

"میں ہوں پتاجی ۔ ستی" ۔

بستر مرگ پر پڑے ہوئے رام شنکر میں اس وقت نہ معلوم کون سی طاقت بجلی کی طرح سرایت کر گئی ۔ کہ انہیں جوش آ گیا ۔ اور دائیں ہاتھ سے لڑکی کو دور دھکیل کر بولے: "ستیاناس! چلی جا! دور ہو جا یہاں سے! اب میرا اور کیا کرے گی؟ کیا مجھے کھائے گی؟ دور ہو میری نظر سے" ۔

ستی ہٹ گئی ۔ گنگا چپ چاپ سر جھکائے ان کا بدن سینکنے لگی ۔ ساوتری بھی آنکھیں زمین پر لگائے بیٹھی رہی ۔ جیٹھانی بھن بھن کر کے بولی ۔ "قبر کے کنارے بیٹھے ہو مگر بکنے کی عادت پھر بھی نہیں جاتی" ۔

گنگا نے کہا: "کیا اب طبیعت اچھی ہے؟"

"آج میری زندگی کا آخری دن ہے ۔ اب کیا دیکھتی ہو ۔ میں چلا!"

گنگا خاموش ہو رہی ۔ ساوتری رو کر بولی: "پتاجی! ایسی باتیں مت کرو" ۔

رام شنکر نے ترچھی نظر سے لڑکی کی طرف دیکھ کر کہا: "کیوں؟ اس میں دکھ کی کیا بات ہے؟ میں نے کب تمہارے ساتھ باپ کی طرح

محبت کی ہے - جو تمہیں میرا مرنا بُرا معلوم ہوگا؟ جب سے پیدا ہوئی ہو تمہیں پیٹ بھر کر کھانا بھی نصیب نہیں ہوا + رُوکھا سوکھا کھا کر اتنی بڑی ہوئی ہو - میرے مرنے کے بعد بھی وہی - نہ اوپر نمک نہ نیچے تیل - پھر رونا کیسا! میں جیُوں گا تو تیرا بیاہ بھی کسی بوڑھے کے ساتھ کر دوں گا - میں کیا تمہارا باپ ہوں؟ ہرگز نہیں" +

جوش کے سبب رام شنکر پر کچھ غنودگی سی چھا گئی - ایک منٹ بعد ذرا ہوش میں آکر بولے - "ہری آیا ہے" "ہری آیا ہے؟ ہٹا دو اُسے میرے سامنے سے ابھی دُور کر دو" +

ساوتری بولی - "بھائی کہاں آیا ہے" +

"نہیں آیا؟ اچھا ہے - میں اُس کے ہاتھ کا پنڈ بھی نہیں لوں گا پڑے بھاڑ میں!"

گنگا نے اُن کے مُنہ پر ہاتھ رکھ کر کہا - "چُپ ہو کر سو رہو تاکہ تکلیف کم ہو - سو کیوں نہیں جاتے؟"

"اب تکلیف کم ہو چکی - نہیں - اب ایک ہی دفعہ سب تکلیفوں کا خاتمہ ہو جائے گا" +

ستی سرک کر دروازے کے پاس جا بیٹھی تھی - دروازہ تھوڑا سا کھلا ہوا تھا - ابھی تک بوندا باندی ہو رہی تھی - باہر مینڈکوں کی ٹرٹر کا شور تھا اور اس قدر تاریکی چھا رہی تھی کہ ہاتھ کو ہاتھ نہ بھائی دیتا تھا + تند ہوا کے جھونکے بار بار بدن پر تیر کوڑوں

ں طرح لگتے تھے ۔ستی ٹکٹکی باندھے اس اندھیرے کی طرف دیکھ
رہی تھی +
رام شنکر کو ذرا سی نیند آ گئی تھی ۔ وہ یکایک جاگ پڑے اور
بولے "کالی کی ماں"!
"کیا کہتے ہو"؟
"کالی کہاں ہے"؟
"تمہارے پاس ہی سو رہا ہے" +
بڑی مشکل سے رام شنکر نے اس کے ماتھے پر ہاتھ پھیرا ۔ گنگا نے
پوچھا ۔"یہ کیا کرتے ہو"؟
"آشیرباد دیتا ہوں ۔ ساوتری سو رہی ہے"؟
"پتاجی" کہہ کر ساوتری جھٹ اُن کے سامنے آ موجود ہوئی ۔
پتا نے کہا:"آ تجھے آشیرباد دوں" +
"پتاجی ۔ ایسی بات مت کہو ۔ بڑا دُکھ ہوتا ہے ۔ پتاجی" +
یہ کہہ کر ساوتری رونے لگی +
گنگا نے کہا "ساوتری! چپ رہ ۔ رو مت ۔ رونے سے
انہیں تکلیف ہو گی" +
"نہیں! نہیں! تکلیف کیسی؟ بیٹی! آشیرباد دیتا ہوں ۔ ہری!
ہری نہیں آیا ۔ اچھا! اُسے بھی آشیرباد دیتا ہوں ۔ ہزار ہو مگر ہے تو
میرا ہی بیٹا" +

" پتاجی! جی جی کو کیوں آشیرباد نہیں دیتے؟ اُسے بھی دُعا دو" +
رام شنکر رُک رُک کر بولے " تمہاری جی جی کو؟ ستی کو؟ اُسے آشیرباد دوں یا اُس کا مذاق اُڑاؤں؟ میں باپ ہو کر مرتے وقت اُس سے مذاق کر جاؤں" ؟

ہلکی آواز سے گنگا نے کہا " تم یہ کیا کہہ رہے ہو؟ دیکھو تمہاری ستی دروازے کے پاس بیٹھی ہے۔ ایک دفعہ اُسے بلاؤ تو سہی"۔
رام شنکر نے اُس طرف نظر دوڑائی اور آہستگی سے پکارا "ستی! آ بیٹی"!
ستی جہاں تک ہو سکا سر جھکائے اور بائیں ہاتھ سے آنکھیں بند کئے پتا کی پائنتی کی طرف آ کر بیٹھ گئی +
بھٹاچاریہ جی بولے " وہاں نہیں۔ اِدھر آ کر بیٹھ۔ تجھ سے دو ایک باتیں کہنی ہیں۔ میں نے تجھے بہت لعنت ملامت کی ہے" +
ستی منہ موڑ کر پتا کے سرہانے کے پاس آ بیٹھی۔ ایک لحظہ اس کی طرف دیکھ رام شنکر نے کہا " تجھے آشیرباد! نہیں۔ آشیرباد کی کوئی ضرورت نہیں ہے —— ہوتی —— اگر —— اگر تجھے وشواس نہیں —— اُس بات —— اُس بات کا اب کیا ذکر؟ کیا کروں؟ آشیرباد دوں؟ سُن بیٹی! ماں باپ کے پاپوں کے پھل اولاد کو بھی بھوگنے پڑتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تم تکلیف اُٹھا رہی ہو۔ اور آئندہ بھی اُٹھاؤ گی۔ کیا کروں۔ لاچار ہوں جان بوجھ کر تو میں نے ایسا کوئی پاپ نہیں کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ پہلے

ہم کے کرموں کا پھل ہے۔ تجھے میں کس مُنہ سے آشیر باد دوں؟
آشیر باد کی جڑیں نے اپنے ہاتھ سے کاٹ دی ہے۔ تم یہ سمجھ لو
کہ میں نے لاچار ہوکر اپنی اولاد کا خون کیا ہے۔ کیا کرتا۔ کوئی
چارہ نہ تھا!"
ستی کو سانپ سونگھ گیا۔ وہ خاموش بُت بنی بیٹھی رہی۔
گنگا بولی "۔ اس وقت یہ باتیں چھوڑ دو۔ ذرا سو جاؤ" +
"سو جاؤں! اب کیوں سوؤں؟ تھوڑی دیر بعد بے فکر ہوکر
ایسی گہری نیند سوؤں گا۔ کہ پھر کبھی اُٹھنے کا نام نہ لوں گا۔ بڑی
شانتی ہوگی۔ یہی وجہ ہے۔ کہ میں چاہتا ہوں جتنی دیر تک جیتا
ہوں دو چار باتیں کر لوں۔ ستی! بیٹی تو کہاں چلی گئی؟ نہیں۔
یہیں ہے۔ اچھا سُن لے۔ کیا کہوں؟ یاد نہیں آتا۔ ہاں۔ آشیر
باد! کیا کہہ کر تجھے آشیر باد دوں؟ میں تو اب چلا۔ تجھے......"
ستی نے بے چین مگر مستقل آواز سے کہا" آپ جائیں گے؟
پتاجی۔ نہیں۔ میں اچھی طرح دل کھول کر اطمینان سے آپ کی
خدمت نہیں کر سکی۔ اس لئے میرے حق میں دُعا کیجئے۔ کہ میں
آپ کے پاس پہنچ کر اچھی طرح سے آپ کی خدمت کر سکوں" +
"میرے پاس! بے شک وہ بڑے آرام کی جگہ ہے۔ اس
میں ذرا بھی شک نہیں۔ آرام اور کامل آرام! بیٹی تو جائیگی؟
کیا تجھے بہت تکلیف ہو رہی ہے؟ بیٹی اس چھوٹی سی عُمر میں اس

نئی جوانی میں ہی تو اتنی تھک گئی ؟ تو آ- میری گود میں آ جا- آ جا بیٹی- جس طرح تجھے بچپن میں گود کھلایا کرتا تھا- اسی طرح اب بھی گود میں لئے چلا چلوں" +

سوامی کو تسلی دینے- اور ان کی بے چینی دور کرنے کے لئے گنگا اُن کی پیشانی پر اور مُنہ پر ہاتھ پھیرنے لگی- رام شنکر بولے- "قصور وار! ایسے شک میں سراسر- سرتا پا قصوروار ہوں- میں نے جو قصور کیا ہے وہ سُنو- اگر میں غریب تھا تو کیوں شادی کرائی؟ کیوں بال بچوں کا باپ بنا؟ لیکن مجھے الزام کس طرح لگایا جا سکتا ہے؟ میرا بیاہ ضرور ہوا- اس میں شک نہیں- مگر اس کے ذمہ وار میرے والدین تھے- اُن کے پاپوں کا پھل میں نے بھوگا- اور میرے پاپوں کا پھل تم نے- پھر الزام یا قصور کیسا؟ تو آ بیٹی! میں تجھے آشیرباد دوں- دوں گا پر کچھ دیر بعد—— بعد —— سوچتا ہوں —— اُس کے بعد——"

تھکا ماندہ مریض یہ کہتے کہتے سو گیا +

رات قریباً ختم ہو چکی ہے- ماں کے بار بار کہنے سے ساوتری پلنگ کے پاس ہی سو گئی تھی- ستی کو نیند آ رہی تھی- مگر وہ دیوار کے سہارے بیٹھی تھی- اکیلی گنگا چپ چاپ سوامی کی طرف دیکھ رہی تھی- وہ یکایک ستی کے بدن پر ہاتھ رکھ کر بولی "ستی!" آنکھیں ملتے ملتے ستی نے کہا "کیوں- ماں؟"

یکھ - اُن کے گلے میں خرخراہٹ کیا معلوم ہوتی ہے؟ مُنہ کیسا نا رہے ہیں؟ کیا کروں بیٹی"؟

تھوڑی دیر تک دیکھ کر ستی نے کہا: "ماں! ڈاکٹر کو بلاؤں"؟

"ابھی تو رات باقی ہے - کون جائے گا"؟

ماں اور بہن کی احتیاط کے باوجود بھی ساوتری جاگ اٹھی اور بولی "میں جاؤں گی"+

"تو تو بچی ہے - اکیلی کس طرح جائے گی"؟

"ماں! تم آگ جلاؤ - میں جاتی ہوں - ابھی واپس آؤں گی+ ڈاکٹر رماکانت کا مکان بہت دور نہیں ہے"+

ستی چلی گئی - گنگا آگ جلا کر بھٹا چاریہ جی کے ہاتھ پاؤں گرمانے لگی - مگر اُس کی آنکھیں دروازہ پر لگی رہیں +

قریباً آدھ گھنٹہ کے بعد ساوتری ڈاکٹر کو ساتھ لے کر آئی - سب کی جان میں جان آئی - مریض کی حالت دیکھ کر ڈاکٹر نے کچھ نہ کہا - فیس بھی نہ لی - صرف دو پڑیاں دوا کی دے کر چلے گئے +

مگر رام شنکر کو پھر ہوش نہیں آیا - حالت بگڑتی ہی گئی + اُس وقت بڑے زور زور سے رو کر جیٹھانی نے دو چار آدمی اکٹھے کر لئے - اور وہ بھٹا چاریہ جی کو تلسی کے نیچے لے آئے + گنگا دونو ہاتھوں سے سوامی کے پاؤں پکڑ کر اور ان میں اپنا مُنہ چھپا کر

رونے لگی۔ کھُل کر نہیں چلا سکی + ساوتری گلا پھاڑ کر "پتا" کہہ کہہ کر رونے لگی۔ کالی بھی خوب رو رہا تھا۔ ستی چُپ چاپ گنگا جل لے پتا کے مُنہ میں ڈالنے لگی۔ اُس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ رہی تھی۔ جیٹھانی جی اونچی آواز سے رام رام کرنے لگیں +

اُس دن بھی روز کی طرح صبح کا نُور پھیل رہا تھا +

ساتواں باب

جیسے ہر جگہ ہوتا ہے اسی طرح رام شنکر کی موت کے بعد بھی ہوا۔ یعنی بھٹا چاریہ کے خاندان کے غم و الم اور رونے چلانے کے باوجود بھی دنیا کے کام ہوتے ہی رہے۔ کوئی کام بند نہ ہوا۔ گاؤں کے پروپکاری نوجوانوں نے رام شنکر کی مٹی ٹھکانے لگانے میں بڑی مدد دی۔ گنگا کے ذریعہ رام شنکر کے مُنہ میں آگ لگائی گئی۔ کیونکہ سپوت ہری اس وقت وہاں موجود نہ تھا۔ چاندپور کے بابوؤں کے ساتھ کلکتے گیا ہوا تھا + آگ دیتے وقت گنگا بے ہوش ہو گئی۔ لوگوں نے اُسے نہلا دُھلا کر کپڑے بدلوائے اور لڑکیوں کے پاس گھر پہنچا کر اپنے فرض کو ادا کیا +

غم والم سے بھرپور اور پہاڑ سے لمبے دن بھی گزرتے ہی گئے کیونکہ دن کسی کا منہ نہیں دیکھتے۔ وہ چلے ہی جاتے ہیں۔ وقت خود بخود کٹ جاتا ہے۔ ماں کچھ نہیں بولتی۔ خاموش رہتی ہے۔ ہلتی جلتی بھی نہیں۔ ستی اور ساوتری ہر وقت اُس کے منہ کی طرف دیکھ دیکھ کر وقت گزارتی ہیں + کالی جب کبھی رونے لگتا ہے۔ تو وہ اسے چُپ کرا دیتی ہیں + شرادھ میں اب صرف دو دن باقی ہیں۔ کوٹھی والوں نے رام شنکر کی تنخواہ کا حساب کر کے نو روپیہ گیارہ آنے اُن کے گھر بھیج دئے ہیں۔ ستی نے اُنہیں لے کر ایک طرف رکھ دیا ہے۔ کیونکہ شرادھ کے لئے خرچ کی ضرورت پڑیگی + خواہ کھانے کو روٹی نصیب نہ ہو۔ مگر پتا کا شرادھ تو ضرور کرنا ہوگا + لڑکیاں ہر روز صبح سے شام تک بھائی کے آنے کی راہ دیکھتی رہتی ہیں۔ مگر بھائی کا کچھ پتہ نہیں۔ چاندپور آدمی بھیجا گیا۔ وہاں سے جواب ملا کہ "ہری یہاں نہیں کلکتہ گیا ہوا ہے" + ستی نے اُس آدمی کو کہہ دیا تھا۔ کہ ہری کے پاس باپ کی موت کی خبر پہنچا دے مگر وہ خوب جانتی ہے کہ یہ خبر بھائی کو نہیں ملے گی +

آخر شرادھ کا دن آ پہنچا۔ سب نے مل کر جب گنگا کو شرادھ کرنے کے لئے آسن پر بٹھایا تو گویا اسے ہوش آ گیا + پچھلے کئی دنوں سے اُسے کسی بات کا خیال نہ تھا۔ اپنی سُدھ بُدھ نہ تھی۔ جو کچھ لڑکیاں کہتیں وہی کرتی تھی + آج اُسے ہوش آیا۔ کہنے لگی "ستی!

مجھ سے یہ کام کیوں کرایا جاتا ہے؟ ہری کہاں ہے"؟
ستی سر جھکا کر بولی۔ "ماں! بھائی نہیں آئے" +
"نہیں آیا؟ خبر نہیں بھیجی"؟
"وہ کلکتے ہیں۔ خبر بھیجی گئی تھی۔ مگر معلوم ہوتا ہے۔ انہیں ملی نہیں" +
گنگا غور و فکر میں پڑ گئی۔ بولی۔ "پھر کالی سے کراؤ۔ جو کچھ اس کے ہاتھ سے کیا جائے گا۔ اس سے اُن کو اطمینان اور شانتی ہو گی" +

دن بھر بھوکا رہ کر چھ سال کے بچے کالی نے پتا کا پنڈدان کرایا + کام ختم ہو جانے پر ادھ موئے بچے کو لے جا کر ستی نے ماں کی گود میں لٹا دیا۔ اور کہنے لگی۔ "ماں! ذرا اس کے منہ کی طرف دیکھ۔ ورنہ یہ بھی جیتا نہ بچے گا۔ اماں! ہوش سنبھال۔ نہیں تو ہمارا کیا ٹھیک ٹھکانہ ہو گا؟ ہم کس کی طرف دیکھ کر جئیں گے"؟

گنگا اُٹھ بیٹھی اور اپنے ہاتھ سے لڑکے کو پکیہ کا بھاگ کھلا کر گود میں لے لیا۔ گاؤں کے امیر آدمیوں نے مدد کے لئے خود ہی کچھ روپیہ بھیج دیا تھا۔ معمولی طریقہ سے دو چار برہمنوں کو کھانا کھلایا گیا۔ اور اسی سے رام شنکر کی افلاس زدہ آتما کی بھوک پیاس کی شانتی کر دی گئی +

جب گھر میں یہ حال ہو رہا تھا۔ تو ہری شنکر بابوؤں کے ساتھ کلکتے میں "درگیش نندنی" کا ناٹک دیکھ رہا تھا۔ کیونکہ انہیں بھی اپنی منڈلی میں یہی ناٹک کھیلنا تھا + بابو لوگ اسے کلکتے آکر

غرض سے لائے تھے کہ اُسے عائشہ کا پارٹ کھیلنا خوب اچھی طرح سے آجائے۔ واپس جاکر اُنہوں نے اپنے ہاں وہی کھیل کھیلا + جس روز کھیل ہوتا تھا۔ اُسی روز ہری کے باپ کا شرادھ تھا۔ اُنہوں نے ہری تک یہ خبر نہ پہنچنے دی۔ تاکہ ناٹک میں خلل نہ پڑے۔ ہری کے گاؤں سے چاندپور صرف تین کوس دور ہے۔ مگر پھر بھی اُس غریب کی موت کی خبر نہ پہنچ سکی +

خواہ کچھ ہی ہو۔ کھیل بہت اچھی طرح سے ہوا۔ ہری نے عائشہ کا پارٹ اِس خوبی سے ادا کیا۔ کہ ہر جگہ اُس کی تعریف ہونے لگی + ہری اپنے دل میں بہت خوش تھا۔ مگر نہ معلوم یکایک اُس کے دل میں یہ خیال کیوں پیدا ہوا۔ کہ چلوں ذرا گھر ہو آؤں + بابوؤں نے کچھ نہ کہا اور وہ اپنے گاؤں کو چل دیا +

رام شنکر کو مرے پندرہ دن ہو چکے ہیں۔ رفتہ رفتہ اب اُن کے پسماندگان کا رنج و الم بھی کم ہو گیا ہے۔ غم میں مبتلا رہنے کا اُنہیں موقع ہی کس طرح مل سکتا تھا؟ جو کچھ شرادھ سے بچا اس سے آج تک کبھی نہ کبھی طرح گزارہ ضرور ہوتا رہا ہے۔ مگر مستقبل کا فکر ستی اور ساوتری کے چہرہ پر صاف ظاہر ہوتا تھا + وہ ماں کی چارپائی کے پاس سے اُٹھ کر سن کو پانی میں بھگونے کے لئے تیار کرتی تھیں کپاس بیلنے کے لئے چرخہ نکالا گیا تھا۔ کالی ایک چٹائی پر پڑا سو رہا تھا۔ کھانا کھانے کے بعد لڑکیوں نے مل کر ماں کو اس کے قریب

ہی لٹا دیا + وہ سوئے ہوئے بچّے کے سر پر ہاتھ پھیر کر غیر متعین نظر سے مکان کی منڈیر کی طرف دیکھ رہی تھی + دل میں طرح طرح کے تفکرات موجیں مار رہے تھے - نیچر پہلے کی طرح ہنس رہی ہے دن اسی طرح آ جا رہے ہیں - سورج اُسی طرح چمکتا ہے - چاند کی کرنیں ویسی ہی ٹھنڈی اور خوشگوار ہیں - رات بھی تاروں کی بدولت اُسی طرح جگمگا رہی ہے - ہر طرف یہ کیسا ظلم ہے؟ کوئی کسی کے لئے ایک دن بھی غم نہیں کرتا! سب اپنے اپنے کام میں بدستور مشغول ہیں +

ہری یکایک گھر میں پاؤں نہ رکھ سکا - اسے ایسا معلوم ہوتا تھا گویا کوئی حادثہ ہو گیا ہے + اُس نے سوچا کہ شاید پتا کو دمہ کا دورا ہو گیا ہے - اس لئے گھر میں رونق اور روشنی نہیں + ڈرتے ڈرتے صحن میں قدم رکھ کر ہری نے پکارا " پتا جی!"

ستی اور ساوتری نے اپنا اپنا کام چھوڑ دیا - گنگا بھی چونک پڑی اور صحن کی طرف دیکھنے لگی - اُسے ایسا معلوم ہوا کہ شاید سوامی ہری کے ساتھ آئے ہیں - لیکن دیکھا تو وہ نہیں تھے - ہری اکیلا تھا - گنگا نے فوراً آنکھیں بند کر لیں + ہری نے پھر پکارا " پتا جی"!

کان میں بھنک پڑتے ہی جیٹھانی جاگ پڑی اور جلدی سے صحن میں آ کر کہنے لگی " ادکون ہے؟ ہری! رام رام!! تیرے جیسا مُنہ جلا کپوت کہیں دنیا کے تختے پر نہ ہو گا! اب پتا پتا کیوں کرتا ہے

پتا تو سورگ سدھار سے سولہ دن ہو گئے۔ باپ کو نہ آگ دی نہ پنڈ ادو انجلی پانی تک نہ دیا! جائے جہنم میں تجھ سا کپوت"!

ہری کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ وہ بیٹھ گیا اور سوچنے لگا: "کیا یہ ممکن ہے"؟

جب اُس نے سامنے ساوتری کو دیکھا تو بڑی بے چین آواز سے پوچھنے لگا: "کیوں ساوتری! کیا ہو گیا ہے؟ بتا تو سہی۔ تو بولتی کیوں نہیں؟ چپ کیوں ہے؟ کیا یہ بات سچ ہے؟ پتا جی اب یہاں نہیں ہیں؟ نہیں! نہیں! یہ کبھی نہیں ہو سکتا"+

ساوتری نے دونوں ہاتھوں سے اپنا مُنہ چھپا لیا۔ ماں ایک طرف چارپائی پر پڑی تھی۔ یکایک ہری کی نظر اس پر پڑی۔ سفید کپڑا اوڑھا ہوا ہے۔ بال روکھے ہیں۔ چہرہ کیسا زرد اور مُرجھایا ہوا ہے؟ کیسی بے کس اور بے نوا معلوم ہوتی ہے! کیا یہی میری ہمیشہ ہنسنے والی لکشمی کی مُورتی ماں ہے؟ ہری کا پتھر کا کلیجہ بھی پگھل گیا اور اُس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ دونوں ہاتھ آنکھوں پر رکھ کر وہ چُپ چاپ مُبت بنا بیٹھا رہا+

بڑی دیر کے بعد ساوتری بڑی آہستگی سے بولی: "بھائی ذرا ماں کے پاس چلو"+

"ماں کے پاس! نہ اب میں نہیں جا سکتا۔ اب میں باہر جاتا ہوں"+ ستی بھی آکر پاس کھڑی ہو گئی۔ بولی: "جو تم کر چکے ہو وہ کر چکے

اُس کا کوئی پشچاتاپ نہیں ہو سکتا - اب سمجھا بجھا کر ماں کی دھیر بندھاؤ - اسے حوصلہ اور تسلی دو - چھوٹے بھائی کو موت کے پنجہ سے رہائی دِلاؤ - بھاگ کر کیا ہو گا؟ کہاں جاؤ گے؟ جاؤ - جا کر ماں کے پاس بیٹھو"+

ستی کی بات ٹالنے کی ہری کو جرأت نہ ہوئی - جونہیں وہ اُٹھ کر کھڑا ہوا جیٹھانی چلانے لگی "چھو مت - کسی کو مت چھو پہلے جا کر نہا لے"+

کچھ دیر سوچ کر ستی بولی - "چلو - پاس کے تالاب پر نہا لو - ندی پر جانے کی ضرورت نہیں ہے"+

ستی نے سوچا کہ گھر سے نکل کر ہری کہیں چلتا نہ بنے - اِس لئے وہ خود اُس کے ساتھ آئی - اور اسے نہلا کر گھر واپس لے آئی + پھر ہری ماں کے پاس گیا - اور بہت دیر تک بیٹھا روتا رہا +

گنگا نے سرد آہ کھینچی اور بڑی میٹھی آواز سے بولی - "بیٹا - رو مت اب رونے سے کیا فائدہ؟ اُن کے دل میں تیری طرف سے جو ناراضگی تھی وہ آخری وقت دُور ہو گئی تھی + انہوں نے تجھے آشیرباد دی ہے بیٹا اس سے تیرا کلیان ہو گا"+

ہری نے بابوؤں کو جی کھول کر گالیاں دیں - اُس نے قسم کھائی کہ آئندہ اُن کی صحبت میں نہ رہوں گا - وہ کئی روز تک گھر پر رہا - ستی نے سوچا کہ مصیبت کی آگ سے ہری سدھر گیا - لیکن

دو چار روز کے بعد ہی معلوم ہو گیا۔ کہ یہ امید فضول اور لاحاصل تھی۔

دو چار دن ٹال مٹول کر کے ہری نے ایک دن ستی سے کہا۔ "بہن! دیکھو خالی بیٹھے رہنے سے کس طرح گزارہ ہو گا۔ میں کچھ کام تلاش کرنے کے لئے باہر جاتا ہوں۔ کبھی کبھی گھر آیا کروں گا۔ دس روپے اس وقت میرے پاس ہیں۔ یہ لو اور جس طرح پہلے گھر کا کام چلا رہی تھیں۔ اب بھی چلاؤ۔ میں بہت جلدی واپس آ جاؤں گا اور گھر بار کا بوجھ خود سنبھال لوں گا۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے اگر کبھی کوئی کام ہو۔ تو چاندپور کے بابوؤں کی معرفت میرے نام خط لکھ دینا یا کسی آدمی کو میرے پاس وہاں بھیج کر اطلاع دے دینا۔ میں چلا آؤں گا۔ سمجھ گئیں؟ گھر پر خالی بیٹھے رہنے سے کام نہیں چل سکتا ہے۔"

سوچ سمجھ کر ستی نے چپ چاپ روپے لے لئے۔ ساوتری آبدیدہ ہو کر بولی "اور ایک روز رہ جاؤ۔ بھائی۔ کل چلے جانا۔ تمہیں دیکھ کر ماں کو کچھ حوصلہ ہو گیا ہے۔"

"دیوانی ہوئی ہے کیا؟ گھر بیٹھے رہنے سے کہیں گزارہ ہو سکتا ہے؟ دیکھ۔ ابھی ماں سے ذکر مت کرنا۔ شاید وہ رونے لگیں۔ میرے چلے جانے کے بعد کہنا۔"

شام کے کھانے کا سب کام ختم کرنے کے بعد رسوئی کو قفل لگا کر اور کالی کے دودھ کا کٹورا ہاتھ میں لے کر ستی باہر آئی۔ وہ دودھ

چھینکے پر رکھنے کو تھی۔ کہ اس کی ماں بولی "رسوئی بند کیوں کردی؟ ہری نہیں کھائے گا؟ تم دونوں نہیں کھاؤ گی"؟

"ہری کھا چکا۔ رسوئی میں اب کوئی کام نہیں ہے"+

"تو نہیں کھائے گی؟ ہری کہاں چلا گیا"؟

ستی نے سر جھکا لیا۔ اور بولی "نوکری کی تلاش میں چاندپور گیا ہے"+

"مجھے بتلا کر نہیں گیا"+

"اس خیال سے نہیں کہا کہ شاید تم رونے لگو۔ کہہ گیا ہے۔ کہ دو چار دن میں واپس آؤں گا۔ نوکری کے بغیر کس طرح گزارہ ہوگا۔ خرچ کے لئے دس روپے دے گیا ہے"+

گنگا تھوڑی دیر تک خاموش رہی۔ بعد ازاں ایک لمبی سرد آہ بھر کر بولی "میں کیوں روؤں گی؟ جو اُسے اچھا لگے کرے"۔ گنگا اپنے بچھونے پر جا لیٹی۔ ساوتری بھی ماں کی چھاتی کے پاس سر رکھ کر اور دایاں ہاتھ اُس کے بدن پر رکھ کر لیٹ گئی+

ستی بولی "ماں۔ کچھ تھوڑا سا کھا لو"+

"نہ بیٹی! دِق مت کرو۔ مجھے نیند آرہی ہے"+

ستی خوب سمجھتی تھی کہ ماں کو فکر دامنگیر ہے۔ اور جب کوئی فکر آکر اُسے گھیر لیتا ہے۔ تو وہ کسی کی بات برداشت نہیں کرسکتی+ لاچار ہو کر وہ باہر گئی اور سوئے ہوئے بھائی کو اُٹھا کر دودھ پلایا۔ اور لاڈ پیار کر کے پھر سُلا دیا+ گائے کا دودھ لڑکے کی جان تھا۔ یہی وجہ

تھی کہ وہ دل و جان سے گائے کی سیوا کرتے تھے +
رات رفتہ رفتہ بڑھنے لگی ۔ اس روز گرمی بڑی سخت ہو رہی تھی ۔ چراغ بجھا کر کھڑکی کے پاس ہی کپڑا بچھا کر ستی لیٹ گئی ۔ باہر آسمان پر ساون کی گھنگھور گھٹا چھائی ہوئی ہے ۔ ایک تارا بھی نظر نہیں آتا ۔ روشنی اُجالے کا کہیں نام نشان نہیں ہے ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے ۔ کہ بندھی ہوئی زمین بھی ستی کی طرح اپنا میلا دوپٹہ بچھا کر لیٹ گئی ہے ۔ اس کا دل بھی غم و الم کا شکار ہو رہا ہے!
ستی نہیں سمجھ سکی کہ میرے کلیجے پر پتھر کیوں رکھا ہے ۔ جب تک کام میں مشغول رہتی ہوں اچھی رہتی ہوں ۔ لیکن جو نہیں فرصت ملی ۔ یہ بوجھ یہ پتھر مجھ پر آ پڑتا ہے ۔ کتنے دن اس طرح گزرینگے؟ کیا یہ بوجھ سر پر سے کبھی نہ اُترے گا؟ رونے کو جی بہت چاہتا ہے مگر رویا بھی نہیں جاتا +
پھر اُس نے زمین کی طرف دیکھ کر کہا! "اُف! چاروں طرف کیسا اندھیرا ہے ۔ کیا اس اندھیرے کا کہیں خاتمہ ہی نہیں ہے"؟
آسمان کی طرف نظر دوڑائی تو دیکھا کہ ایک تارا جھلملا رہا ہے وہ سوچنے لگی ۔ کیا یہ میرے پتا ہیں؟ وہ مرتے وقت مجھے اپنے پاس بلا گئے ہیں ۔ کیا اس وقت بھی مجھے بُلا رہے ہیں؟ سوچتے سوچتے اسے ایسا نظر آیا کہ وہ تارا بڑی روشن اور خوفناک آنکھوں سے اُس کی طرف گھور رہا ہے ۔ ڈر کے مارے ستی نے کھڑکی بند کر دی ۔ اور

ماں کے پاس آکر لیٹ رہی + سوئے ہوئے بھائی بہن اور ماں کو ایک دفعہ ہاتھ لگا کر ستی بھرّائی ہوئی آواز میں بولی:- "نہیں - میں نہیں جانا چاہتی" +

تین مہینے گزر گئے - ہری کئی دفعہ آکر تھوڑا بہت روپیہ دے گیا ہے - اُن سے اور اپنی محنت مزدوری کی آمدنی سے ستی اور ساوتری جُوں تُوں کر کے گھر کا خرچ چلا رہی ہیں +

ایک روز ستی تالاب پر نہانے گئی تھی - اب وہ پہلے کی طرح نہانے کے لئے ندی پر نہیں جاتی - ساوتری گائے کو بھوسہ دانہ کھلا رہی تھی - چٹھی رساں نے آکر پکارا "چٹھی ہے" + کالی آکر چٹھی لے گیا - اور جا کر ماں کو دے دی - گنگا اُس وقت تلسی کا چبوترا لیپ رہی تھی + خط بائیں ہاتھ میں لے کر پڑھا - پڑتے ہی کانپ اُٹھی - اور اسی طرح دھم سے گیلی جگہ پر بیٹھ رہی +

ستی نہا کر واپس آئی اور پانی کا گھڑا رسوئی میں رکھ کر ماں کے پاس آگئی - بولی:- "ماں! روتی کیوں ہو؟ کیا ہو گیا؟" ماں کے منہ سے آواز نہ نکلی +

کارڈ وہیں پڑا تھا - ستی نے اُسے اُٹھا کر جھٹ پٹ پڑھ لیا -
"نوگرام کے تین کوڑی لاہری کا انتقال ہو گیا ہے - میں اُن کا بیٹا ہوں - اپنی سوتیلی ماں کو مطلع کرنے کے لئے یہ خط لکھ رہا ہوں میری درخواست ہے کہ شرادھ کے روز آپ سب مع عزیز و اقارب

یہاں تشریف لائیں تاکہ کام خوش اسلوبی سے ختم ہو سکے"+

ستی بھی بہت دیر تک چُپ رہی۔ جب ساوتری نے دیکھا کہ بہن دیر سے خط ہاتھ میں لیئے بُت کی مانند کھڑی ۔ نہ ہلتی ہے۔ نہ بولتی ہے۔ تو اُس سے رہا نہ گیا۔ چلی آئی اور بہن کے ہاتھ سے چٹھی لے کر پڑھی۔ پڑھتے ہی وہ بڑے زور سے چلا اُٹھی۔ "ماں! ہائے ماں! ہائے ہائے"!!

جیٹھانی بھی ہائے ہائے سُن کر بھاگی ہوئی آئی اور روتی ہوئی ساوتری سے سب حالات معلوم کرکے اونچی آواز سے چلانے لگی + رفتہ رفتہ سارے گاؤں کے آدمی جمع ہو گئے اور افسوس کرنے لگے + بڑا شور و غل مچ گیا۔ گنگا دونوں ہاتھوں سے مُنہ ڈھانپ کر بیٹھی رہی۔ گویا اسے رونا چلانا نہیں آتا تھا + جس روز ستی کی شادی تھی۔ رونے کا کام تو اُسی روز ختم کر دیا گیا تھا + پھر آج کس بات کا رونا؟

جب بہت دن چڑھ گیا تو جیٹھانی بولی۔ "جو ہونا تھا سو ہو چکا ستی آ بیٹی! چل نہا آئیں"+

ستی نے مستقل آواز سے پوچھا۔ "تالاب پر چلنا ہوگا؟"

سب نے جواب دیا۔ "نہیں ندی میں نہانا چاہئیے"+

ستی کی حالت دیکھ کر اور بات سن کر سب لوگ دل ہی دل میں نفریں کہہ رہے تھے۔ "یہ کیسی لڑکی ہے؟ گھر نہیں لے گیا تھا تو کیا

ہو گیا؟ شادی تو کی تھی - سوامی تو تھا - ایک آنسو تک نہیں نکلا!
ستی کے ہاتھ کی چوڑیاں پھوڑتے وقت جیٹھانی کو سچ مچ رونا آگیا - ستی نے پاس سے ایک اینٹ اُٹھا کر خود ہی اپنی چوڑیاں پھوڑ لیں+ نہا چکنے کے بعد سفید کپڑا پہن کر اور گھونگٹ نکال کر ستی چپ چاپ گھر کی طرف چلدی + سب کی نظر اس پر جمی ہوئی تھی - اس کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہوا جا رہا تھا - دروازے پر پہنچ کر جیٹھانی نے پکارا " کالی تھوڑے سے نیم کے پتے توڑ لے آ - ستی! نیم کا پتا دانت سے کاٹ کر اور آگ چھو کر اندر جانا " ستی نے کوئی عذر اعتراض نہ کیا - اور چپ چاپ جیٹھانی کے حکم کی تعمیل کی + ساوتری گھر کے اندر سے چلی آ رہی تھی - اسی وقت کسی نے کہا " ساوتری - تو ابھی یہاں مت آنا - کہیں جی جی کا منہ مت دیکھ لینا "+
ستی نے یہ سنتے ہی جھٹ اپنا منہ چھپا لیا - ساوتری دوڑی - " ہائے بہن! تیرا ایسا بھیس کس نے بنا دیا؟ کہہ کر ستی کے گلے لپٹ گئی - اس پر سب عورتیں جو وہاں جمع تھیں - اسے برا بھلا کہنے لگیں - ستی وہیں بیٹھ گئی - ساوتری اس کے کندھے پر سر رکھ کر اور گلے کے گرد اپنے بازو لٹکا کر رونے لگی + ستی نے اس کے آنسو پونچھے - اور بڑی میٹھی آواز سے اسے تسلی اور دھیرج دینے لگی +
جیٹھانی نے آکر گنگا سے کہا " اب اُٹھو - جو قسمت میں لکھا تھا

ہو گیا۔ جا کر بیٹی کو کچھ کھلاؤ پلاؤ۔ اب رونے سے کیا حاصل"؟

گنگا اُٹھی۔ ستی بھی اُس کو اپنی طرف آتے دیکھ کر اُٹھ کھڑی ہوئی اپنی لڑکی کی بدھوا صورتی دیکھ کر گنگا کے صبر و شکیب کا بندھ ٹوٹ گیا۔ اُس نے خوب زور سے چلانا چاہا۔ مگر مُنہ سے ایک لفظ بھی نہ نکلا۔ لڑکی کو دونوں بازوؤں سے پکڑا اور کھینچ کر چھاتی سے لگا لیا۔

بہت دیر تک ہر طرف خاموشی رہی۔ پھر گنگا بولی "ستی! چل بیٹی! تھوڑا سا شربت پی لے"۔

ستی نے سر جھکا کر کہا "مجھے پیاس نہیں ہے۔ تم پی لو۔ میں جا کر روٹی پکاتی ہوں"۔

"روٹی آج تیری تائی پکا رہی ہے۔ تجھے نہیں پکانی"۔

"اوہ" کہہ کر ستی وہیں بیٹھ گئی۔

آٹھواں باب

بشویشور اور رانی پورنا کو مختلف تیرتھوں کی سیر اور زیارت کرتے کرتے قریباً ایک سال گزر گیا۔ ایک دفعہ بشویشور کو پچھم کے شہروں کو دیکھنے کا شوق ہوا تھا مگر اس وقت وہ کاروبار کی

زیادتی کے سبب نہیں جا سکا تھا۔ اس دفعہ دونوں مل کر سب تیرتھوں میں پھر آئے۔ ساوتری۔ گائتری۔ پُشکر۔ بھاسکر۔ کالکھیا۔ ہردوار وغیرہ وغیرہ سب ایسے ایسے مقامات جہاں پہنچنا بہت مشکل ہے دیکھ لئے گئے + موسی نے یہ تیرتھ پہلے نہیں دیکھے تھے۔ اِس واسطے یہ قرار پایا تھا۔ کہ جب ایک مرتبہ گھر سے باہر آ گئے ہیں۔ تو پھر سب ہی کیوں نہ دیکھ لئے جائیں +

روز پیدائش سے لے کر آج تک گھر کی کوٹھڑی میں بند رہنے والے بشوبیشور کو ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ میرا نیا جنم ہوا ہے + آج ایک جگہ کل دوسری جگہ۔ کہیں اشنان کہیں درشن۔ کہیں پہاڑوں پر چڑھنا اور کہیں اُترنا۔ اِن سب باتوں کا لطف اُٹھاتا ہوا بشوبیشور اپنے تئیں فراموش کر بیٹھا + چند ناتھ پہنچ کر ایک روز بشوبیشور نے کہا۔ "موسی! اب اور کہیں آنے جانے کی ضرورت نہیں ہے ہمیں ایک گھر بنوا کر رہنا چاہئے"۔ موسی کو ہنسی آ گئی تیرتھوں کے شہروں کی سیر سے اُسے جتنی خوشی ہوئی تھی۔ اُتنا ہی رنج بھی ہوا تھا + اُس وقت سارے بھارت میں خوفناک قحط پھیلا ہوا تھا۔ ایک روز بشوبیشور نے پھر موسی سے کہا۔ "موسی! اگر اپنا قدیم وطن چھوڑ کر یہیں رہائش اختیار کر لی جائے تو کیا ہرج ہے"؟

موسی نے پوچھا۔ "کیوں"؟

"ذرا دیکھو کیسا غریب ملک ہے! لوگ کس طرح ہائے روٹی - ہائے روٹی، کرتے اِدھر اُدھر مارے مارے پھرتے ہیں - یہاں یہ معلوم کرنے کی ضرورت نہیں - کہ کسے کس چیز کی ضرورت ہے - اور کس پر کیا احسان کیا جائے + قحط کے زمانہ میں یہیں آکر اس بات کا بخوبی پتہ لگ سکتا ہے - کہ غریبی کس چیز کا نام ہے" +

موسی نے بہت حیران ہو کر جواب دیا "پاگل ہے ہمارے ملک میں کیا غریبوں کی کمی ہے؟

"ہمارے ہاں غریب کہاں ہیں؟ اور جو لوگ ہیں اُن کا اِن کے ساتھ کیا مقابلہ ہو سکتا ہے؟ ہمارے دیش کی زمین میٹھے پانی خوش ذائقہ پھل اور ہری ہری گھاس والی ہے - خواہ کچھ بھی نہ ہو مگر وہاں کوئی فاقوں نہیں مر سکتا" +

"یہ تو بالکل ٹھیک ہے - مگر ایک مرتبہ ذرا اپنے گاؤں کے رام سنکر بھٹاچاریہ کے گھر والوں کی تکلیف کا تو خیال کر" +

"وہ تو ضرور ہے - لیکن اگر وہ لوگ کسی ایسے مقام میں ہوتے - تو اب تک کبھی کے مر گئے ہوتے + وہی ملک ہے - جو اب تک عزت حرمت کے ساتھ زندگی گزار رہے ہیں + موسی! خیال رکھو - جس ملک میں اناج کی کمی نہیں ہے - وہاں کوئی کسی کا کچھ بھلا نہیں کر سکتا - اس کا ذکر تک کرتے شرم محسوس ہوتی ہے - جنہیں کچھ دیا جائے وہ بھی شرمندہ ہوتے ہیں - کیونکہ وہ لوگ کسی نہ کسی طرح آرام سے یا

تکلیف سے اپنے دن گزار ہی لیتے ہیں + سب کے آگے یکایک ہاتھ نہیں پسار سکتے - جس مُلک میں لاج لحاظ نہیں ہے - جہاں کے رہنے والے مدد کی کمی کے سبب دن رات مارے مارے پھرتے ہیں اُس جگہ جاکر رہنا چاہیئے - ایسی جگہ خواہ مخواہ بہت سا کام ہو سکتا ہے" +

موسی نے ہنس کر کہا "کون سا کام ہو سکتا ہے ؟ ذرا مُجھے بھی تو بتلا کہ تو کیا کرنا چاہتا ہے"؟

بشوبیشور نے سر جُھکا لیا - اور شرم کے مارے اُس کا چہرہ سُرخ ہوگیا + اسے لمبی چوڑی باتیں کرنا اور ڈینگیں مارنا نہیں آتیں - جب اُس کے دل میں خیالات اُٹھتے ہیں - تو وہ خاموش ہو جاتا ہے - اس لئے جب وہ اپنے گاؤں میں غریبوں کے لئے ایک جائے پناہ یا یتیم خانہ بنوا رہا تھا - تو اُس کا کام اسے درمیان میں ہی بند کر دینا پڑا تھا + اُس نے سوچا کیں خود ہی کس طرح جا جا کر لوگوں سے کہونگا کہ جلو بھائی میں بڑا امیر آدمی ہوں - جسے جس چیز کی ضرورت ہو - مجھ سے کہو - میں مہیا کروں گا - میں سب کا دُکھ درد رفع کرونگا + وہ اس بات کے خیال سے بھی شرماتا تھا + خیالات کے جوش میں اُس نے کام تو شروع کرا دیا تھا - مگر پھر یکایک بند کر دیا +

لوگوں نے سوچا کہ ریشم کا نرخ گر جانے کے سبب مکان کی تعمیر بند کر دی گئی ہے + دوسری بات بشوبیشور نے یہ سوچی تھی - کہ اس دیش میں ایسے آدمیوں کی کمی ہے جنہیں کسی کے آگے ہاتھ پسارنے

یا ہر کس وناکس کی مدد قبول کرنے میں پس وپیش اور لحاظ نہ آتا ہو۔ بھیس دھاری ولیشنوؤں میں بے شک لحاظ نہیں۔ وہ خیرات لینے میں پس وپیش نہیں کرتے۔ مگر وہاں کے دھرماتما لوگوں کی بدولت اُنہیں کسی قسم کی کمی نہیں رہتی۔ خوب مزے سے کھانے کو ملتا ہے ان سب باتوں پر غور کرکے اُس نے اپنا ارادہ ترک کر دیا تھا۔ پچھم کے معمولی آدمیوں کی حالت دیکھ کر لیشو لیشور کے آنسو نہ رکے اُسے خیال آیا کہ یہیں آکر رہیں۔ اور اپنی دیرینہ خواہش کو پورا کریں لیکن اُس کی موسی حوصلہ شکن ہنسی ہنس کر اُس کے سدِ راہ ہوئی اپنی گہری عقل سے وہ تاڑ گئی تھی کہ اس دیش کے افلاس کو دور کرنے کے لئے قارون کا خزانہ بھی وفا نہ کرے گا۔ اُس نے لیشو لیشور کو دان کرنے سے کبھی نہ روکا۔ مگر گھر واپس چلنے کے لئے بار بار اصرار کرتی رہی۔ اُس نے سوچا کہ لڑکے کا دماغ چنچل ہے۔ اگر کچھ دن اور یہاں رہا تو بالکل دیوانہ ہو جائے گا۔ اور سب کچھ لٹا بیٹھے گا۔ موسی اسے کنگال نہ دیکھنا چاہتی تھی۔

موسی کے اصرار سے لاچار ہو کر لیشو لیشور کو گھر واپس جانے کی تیاری کرنی پڑی۔ موسی چاول پکا کر بیٹھی ہے۔ رُوکھے بال سورج کی کرنوں سے جھلسا ہوا چہرہ اور تھکا ماندہ جسم لے کر لیشو لیشور ڈیرے پر واپس آیا۔ موسی نے شربت پلا کر اور پنکھا جھل کر بڑی کوشش سے اس کو شانت کیا۔ وہ خوب جانتی تھی کہ لیشو لیشور اتنی دیر کرکے

کیوں آیا ہے +

جب بشو لیشور پچیس آدمیوں کا کھانا تیار کرنے کے لئے موسی سے کہتا تو وہ اپنی عقل سے سو آدمیوں کے لئے کھانا پکا لیتی بشو لیشور بھی آکر اُس کے کام میں مدد کرتا + چاولوں کے بڑے بڑے دیگ چڑھا کر اور کمر میں صافہ لپیٹ کر بشو لیشور ادھر سے اُدھر دوڑا دوڑا پھرتا ۔ موسی سبزیاں پکاتی ۔ آخر کار رسوئی جگہ دو سو آدمی آجاتے اور کھانے کے لئے شور وغل مچاتے + تب پھر بھنڈار سے کچے چاول دے دلا کر فقیروں کو مطمئن کرنا پڑتا +

بہت زیادہ محنت کرنے کے سبب بشو لیشور بہت دُبلا پتلا ہو گیا ۔ اور اس کا رنگ روپ بھی جاتا رہا + دو ایک مرتبہ اُسے بخار بھی آیا ۔ پھر تو موسی زبردستی کپڑے لتے باندھ اور اسے ساتھ لے گاڑی میں سوار ہو گئی ۔ قریباً ایک سال کے بعد یہ لوگ گھر واپس آئے ۔ موسی نے بشو لیشور کو ریل میں ہی جتا دیا "یاد رکھنا ۔ گھر پہنچ کر ایک مہینے کے بعد تیری شادی کر دوں گی" +

حق تو یہ ہے کہ بشو لیشور شادی کا نام سنتے ہی ڈر جاتا تھا ۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اُس نے کس خیال سے شادی نہ کرنے کا ارادہ کیا تھا ۔ مگر اب وہ ارادہ ایک بڑے بوڑھے بڑ کے درخت کی طرح زمین میں مضبوط جڑیں پکڑ چکا تھا ۔ اس قدر مضبوط ہو گیا تھا کہ آندھی اور طوفان بھی اُسے اپنی جگہ سے نہ ہلا سکتے تھے ۔ اُس کا

خیال پتھر کی طرح سخت ہو گیا تھا۔ پہلے وہ اس واسطے شادی نہیں کرنا چاہتا تھا کہ اُس کے مطالعہ میں خلل واقع نہ ہو۔

اب بشویشور کو عورت کے نام سے چھینک آتی ہے جب وہ دیکھتا ہے کہ ادب اور شاعری کی دُنیا عورت کی ذات سے بھری پڑی ہے۔ تو وہ کانپ اُٹھتا ہے۔ وہ یہ سمجھنے سے قاصر ہے کہ ایک معمولی لڑکی یا عورت کس طرح آدمی کی خوب صورت زندگی کے سارے راحت و آرام کا مرکز بن سکتی ہے۔ لیکن وہ دیکھتا اور محسوس کرتا ہے کہ عورت ہی شاعری کی جان ہے۔ اور اس لئے دنیا کی بھی روح رواں ہے بشویشور سوچتا ہے کہ اس فراموشی اور محویت سے اپنے تئیں کس طرح بچاؤں۔ کبھی کبھی اپنے تئیں شادی شدہ سمجھ کر وہ اپنے دل کی آنکھوں سے اُس حالت کو دیکھنے کی بھی کوشش کرتا ہے۔ اسے معلوم ہوتا ہے کہ سارے سُکھ کا خیال ایک لڑکی کے رنج و راحت میں ختم ہو جاتا ہے۔ جملہ تفکرات کا خاتمہ سارے کاموں کی جڑ بنیاد اور انتہا اُسی ایک لڑکی میں ہو جاتی ہے۔ سارا اصرار۔ ساری محبت خوب صورتی اور پیار غرضیکہ جو کچھ بھی دُنیا میں ہے وہ سب اُسی ایک تصویر میں سما جاتا ہے! اسی زندگی کا آدمی اس قدر خواہش مند نظر آتا ہے! اگر اسے سُکھ شانتی اور اطمینان کہا جاتا ہے۔ تو پھر غلامی یا بندھن کس چیز کا نام ہے؟

جب وہ گاؤں کے قریب پہنچے اُس وقت شام ہو گئی تھی۔ موسی نے گھر پہنچ کر سب سے پہلے مویشیوں کو دیکھا۔ پرانے نوکر تپسی اور رام دھن کی ماں نے گھر بار خوب صاف کر رکھا تھا۔ لیکن جن کمروں کو قفل لگا ہوا تھا۔ اُن کی حالت دیکھ کر موسی اپنے پردیس جانے پر پچھتانے لگی + وہ چاہتی تھی کہ جو برتن کپڑے اور تبرک پرشاد وہ تیرتھوں سے لائی ہے۔ اُسے فوراً پڑوسیوں اور اور ملنے والوں میں تقسیم کر دے مگر اُس نے اپنی خواہش کو دبایا۔ اور بھوکے پیاسے لڑکے کو کھانا کھلانے کے انتظام میں مصروف ہو گئی +

اِدھر بشویشور سارے گاؤں کے گرد چکر کاٹ رہا تھا۔ کسی کے گھر آنا جانا اس کی عادت کے خلاف تھا۔ لیکن آج وہ گھر گھر جانا چاہتا تھا۔ سب سے پہلے بشویشور اپنے کیلے کا باغیچہ دیکھنے گیا۔ آفتاب غروب ہو رہا تھا۔ باغ میں اندھیرا چھا چکا تھا۔ مشتاق نگاہوں سے ایک دفعہ کیلے کے درختوں کو دیکھ کر بشویشور واپس چلا آیا۔ آج گاؤں کی ہر ایک چیز۔ خواہ درخت ہو یا گھر یا اور کچھ بشویشور کو بہت خوش نما معلوم ہوتی تھی۔ اگر کوئی گاؤں کا آدمی مل جاتا (خواہ وہ اس سے واقف ہوتا یا نہ ہوتا) اور پوچھتا "بابو جی! کب واپس آئے"؟ تو اُسے بہت لطف آتا۔ اور ناواقف ہونے کے باوجود بھی وہ اُس سے باتیں کرنے لگتا + آج اپنے گاؤں کے معمولی سے معمولی آدمی کی صحبت بھی اس کی نظر میں بہت اچھی تھی +

دکھن کی طرف رام شنکر کا مکان اندھیرے میں ٹیلے کی مانند نظر آتا ہے - بشویشور اُسے دیکھتے ہی ٹھٹک کر رُک گیا - جی چاہا - کہ ایک دفعہ بیٹا چاریہ جی کو پکاروں مگر یکایک شادی کا معاملہ یاد آگیا - اور پکارنے کی ہمت نہ پڑی + سوچتے سوچتے آگے بڑھا - کچھ فاصلے پر اُمیش مکرجی کا مکان ہے - سائبان کے نیچے مکرجی بیٹھے تمباکو مل رہے ہیں - بشویشور فوراً وہاں جا پہنچا +

مکرجی بولے "کون ہے"؟

"میں ہوں جی - بشویشور" +

"خوب! آؤ بیٹھو بھائی کچھ سے کب آئے ہو؟ اچھے تو ہو نہ"؟

اسی طرح بہت دیر تک باتیں ہوتی رہیں - سارے گاؤں کی خبریں معلوم کر کے بڑی رات گئے بشویشور گھر واپس پہنچا + تھالی میں کھانا پروسا رکھا تھا - موسی نے دوسری تھالی سے اُسے ڈھک دیا تھا - اور خود اُونگھ رہی تھی + بشویشور بغیر کچھ کہے سنے فوراً آسن پر جا دھمکا - موسی چونک پڑی اور بولی "دیکھ تو سہی - چاول بالکل ٹھنڈے ہو گئے ہیں - دو دن سے کچھ کھانے کو نہیں ملا - اگر کہیں جانا تھا - تو کھانا کھا کر جاتا - یہاں آکر بھی وہی حالت رہے گی کل بڑا اچھا دن ہے - ندی پر نہانے چلیں گے - لیکن اب کس وقت سوؤں گی - اور کب اُٹھوں گی؟ تجھے تو کبھی ......" موسی نہ معلوم کیا کیا کہتی مگر جب اُس نے بشویشور کا اُداس اور غمگین چہرہ دیکھا

تو چپ ہو رہی - پھر بولی "اب تک کہاں تھا؟"

"امیش مکرجی کے ہاں" +

"وہ لوگ اچھے تو ہیں؟ گاؤں اور سب لوگ بہ خیریت ہیں نہ؟ محلہ چوک کی کیا خبر ہے"؟

"ایک دم سب کے گھر کا حال کس طرح بتلاؤں؟ لیکن ایک بات ہے - رام شنکر بھٹاچاریہ اب اس دنیا میں نہیں ہیں" +

موسی کو سن کر بڑا رنج ہوا - اور وہ خاموش ہو رہی - کئی دفعہ کچھ کہنے کی کوشش کی مگر منہ سے "اوہ" "اوہ" کے سوا کچھ نہ نکلا - پھر بولی "جو مرتا ہے وہ تو سب جھگڑوں سے نجات پا لیتا ہے - غریب سب فکروں سے آزاد ہو گیا" + بشنو بیشور نے اس بات کا کچھ جواب نہ دیا +

ساری رات ان پورنا کو نیند نہ آئی - گنگا کی شانت تصویر اس کی آنکھوں کے سامنے پھرتی رہی - صبح ہی اٹھ کر دھوتی اور صافہ لے کر وہ ندی پر نہانے گئی - اس روز وہاں بہت بھیڑ تھی - موسی کو دیکھ کر سب خبر خیریت پوچھنے لگے - رام شنکر کی بھاوج بھی نہانے آئی تھی - وہ بولی "ہم تو سمجھے تھے کہ شاید اب دیس واپس نہ آؤ گی" +

"کیوں نہ آتی بہن"؟ کہہ کر ان پورنا نے دیکھا - اس کے قریب ہی گنگا سفید ساڑی پہنے کھڑی ہے - اسے دیکھ کر اس نے جھٹ منہ پھیر لیا + دکھن کی طرف دیکھا ساونری نہا رہی ہے - اس کے دل میں خواہش پیدا ہوئی - کہ اسے پیار کروں اور کچھ باتیں پوچھوں لیکن

پھر سوچا۔ اب کس مُنہ سے اُن سے بولوں؟ جلدی جلدی نہا کر چُپ
انّ پورنا گھر واپس جانے لگی۔ تو اُس نے دیکھا کہ ساوتری کے ساتھ
سفید کپڑے پہنے ایک اور لڑکی جا رہی ہے۔ انّ پُورنا نے غور سے
دیکھ کر پہچان لیا وہ ستی ہے + اس کے دل پر بڑی چوٹ لگی۔ وہ
سوچنے لگی۔ کیا یہی وہ ستی ہے۔ جس کی میں بشو بیشور سے شادی
چاہتی تھی + انّ پورنا کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ اس کی آنکھوں
کے آگے اندھیرا چھا گیا۔ وہ ہل نہ سکی +

نواں باب

تیرتھوں کی زیارت سے واپس آکر بشو بیشور پھر کتابوں کے
مُطالعے سے اپنا دل بہلانے کی کوشش کرنے لگا۔ مگر وہ ناکامیاب رہا +
پچھم میں جا کر جس قسم کی زندگی کا لطف بشو بیشور نے حاصل کیا ہے۔
اب وہ کسی طرح دل سے نہیں بھولتا + تخت کتابوں سے گدھوں
کی طرح لدے پڑے ہیں۔ مگر اب کرے میں کوئی دلچسپی نہیں + مایوس
ہو کر بشو بیشور کوٹھی میں جا کر اپنے کاروبار کی نگرانی کرنے لگا۔ مگر اس
سے دو روز میں اُکتا گیا + لاچار ہر قسم کا کام دھندا چھوڑ کر بشو بیشور
اِدھر اُدھر پھرنے لگا۔ کبھی کیلے کے باغیچہ میں۔ کبھی آموں کے باغ

میں۔ کبھی ندی کے کنارے۔ کبھی میدان میں اور کبھی موسی کے پاس آ بیٹھتا + موسی بھی نہ معلوم آج کل کس موہ میں پڑ گئی ہے اس کے چہرہ پر اب ہنسی کی جھلک نظر نہیں آتی۔ اور نہ اب وہ پہلے کی طرح پیار کی باتیں کرتی ہے بشو لیشور کو خوب معلوم تھا۔ کہ موسی کے دل کو کیا تکلیف ہے۔ اس لئے وہ اُس کے پاس بہت ڈر ڈر کر آیا کرتا تھا + ایک روز موسی نے صاف صاف کہہ دیا۔ "اب تو بالکل مت گھبرا۔ میں نے جس طرح اپنی عمر گزاری ہے۔ باقی دن بھی گزر ہی جائیں گے۔ جب تیرا دل چاہے اس وقت شادی کرنا۔ آیندہ میں تجھ سے اس معاملہ میں کبھی کچھ نہ کہوں گی" +

بشو لیشور چپ ہو رہا مگر پھر اُس کے دل میں خیال آیا کہ جو بات کئی روز سے میرے دل میں اُٹھ رہی ہے۔ آج اسے کہہ دینے کا اچھا موقع ہے۔ آخر جب دیکھا کہ موسی اور کچھ نہیں بولتی۔ تو آنکا پیچھا دیکھ کر بشو لیشور بولا۔ "موسی! اُن کا کچھ حال معلوم ہوا"؟

روئی تومنا چھوڑ کر ان پورنا نے بشو لیشور کی طرف دیکھا۔ اور کہا۔ "کیسا حال"؟

"آج کل اُن کا گزارہ کس طرح ہوتا ہے"؟

"میں کیا دیوانی ہوں کہ جن کے ساتھ ایسا بُرا سلوک روا رکھا ہے۔ اُن کی مصیبت پر ہنسوں۔ اور اُن کے گھر جا جا کر خواہ مخواہ ان کی حالت دریافت کیا کروں" +

بشویشور نے اُس کی یہ بات اَن سُنی کر کے کہا:۔ ان کے گھر مت جاؤ۔ مگر اور لوگوں کی زبانی تو کچھ نہ کچھ پتہ لگتا ہی ہو گا"+

"مجھے اب تک بھی یہ معلوم نہ ہو سکا۔ کہ وہ لوگ کس قسم کے آدمی ہیں۔ وہ سب مرجانا بخوشی منظور کریں گے۔ مگر کسی کے آگے فقیر کی طرح دستِ سوال دراز کرنا یا اپنا دُکھڑا رونا گوارا نہ کریں گے سنا ہے اب ہری سدھر گیا ہے اور کبھی کبھی گھر آتا رہتا ہے"+

بشویشور نے دُکھی ہو کر کہا:۔"ہری؟ وہ تو ڈوب گیا۔ مٹی میں مل گیا۔ اُس روز میں نے دیکھا تھا کہ وہ اور نریندر زمیندار وہی جو ڈپٹی صاحب کا داماد ہے۔ دونوں بڑے مزے میں گھوڑوں پر سوار گاؤں میں سے جا رہے تھے۔ ہری کو ذرا بھی شرم نہیں رہی" "لوگ اس کی سج دھج دیکھ کر سمجھتے ہیں۔ کہ اس کے گھر والوں کا دُکھ دُور ہو گیا"+

"موسی! تم ایک روز اُن کے گھر کیوں نہیں ہو آتیں"؟ انّ پورنا نے کچھ سوچ کر جھنجھلا کر جواب دیا:۔"نہیں۔ میں نہیں جا سکتی۔ میں سنی کی ماں کو مُنہ نہیں دکھا سکتی۔ اگر ممکن ہو تو تُو خود جا کر ان کی خبر لے آ"+

مگر بشویشور کو آسانی سے کوئی ترکیب نہ سُوجھی۔ اس میں کلام نہیں وہ محسوس کرتا تھا کہ انہیں بڑی تکلیف ہے۔ مگر یہ بات اس کی سمجھ میں نہ آتی تھی کہ کس طرح ان کی مدد کی جائے+ کالی ابھی نادان لڑکا

ے۔اگر اس کے ذریعے کوئی کام کیا گیا۔ تو بھانڈا پھوٹنے کا خوف ہے
جو بڑ ٹھیک نہیں۔ بہت دیر تک سوچنے کے بعد بشویشور نے فیصلہ
اکہ خواہ کسی طرح ہو ستی اور ساوتری سے اس معاملہ میں بات کرونگا
ر انہیں مدد قبول کرنے کے لئے کہوں گا +
یہ ارادہ کر لینا تو چنداں مشکل نہ تھا۔ مگر اس پر عمل کرنا ذرا ٹیڑھی
ہر تھا + اوّل تو وہ خود بہت شرماتا ہے۔ دوسرے ستی اور ساوتری سے
نا بھی کوئی آسان بات نہیں +
غریب کے گھر میں جنم لیا اور اس پر روز پیدائش سے ہی قسمت
ی مار۔ اس لئے دونوں لڑکیاں شاذ ہی کبھی گھر سے باہر جاتی تھیں +
ساوتری تو کبھی کبھی ندی پر پانی بھرتی نظر بھی آجاتی ہے۔ مگر ستی قریب
کے تالاب یا کوئیں کے سوا کہیں نہیں جاتی + گاؤں میں شریف خاندانوں
بیٹیوں کے باہر آنے جانے میں کسی قسم کی روک ٹوک نہیں ہوتی
ر وہ اپنی گئی گزری حالت کی وجہ سے کہیں آنا جانا پسند نہیں کرتیں
ب ساوتری کے متعلق بھی اِدھر اُدھر لوگوں میں باتیں ہونے لگی ہیں
وئی کہتا ہے " یہ لڑکی بھی تو جوان ہو گئی۔ چودہ برس کی عمر ہونے آئی
ہے۔ اب تک شادی نہیں ہوئی۔ کون شادی کرے گا "؟ اگر کسی کا
دل نرم ہوتا تو وہ کہتا۔ جیسی شادی اس کی بڑی بہن کی ہوئی تھی۔
اس سے تو نہ ہونا اچھا ہے۔ اور کچھ نہ ہوگا تو کلیجے کی ہوک سے تو بچی
رہے گی "۔ کوئی کہتا " ان باتوں سے کیا؟ یہ تو کرموں کا پھل ہے قسمت

میں جو کچھ لکھا ہے۔ وہ تو ہو کر ہی رہے گا۔ اس لئے شادی نہیں رُک سکتی ذات برادری کے ساتھ تعلقات قائم رکھنے کا بھی فکر کرنا پڑتا ہے" +

جو نہیں ساوتری گھر سے باہر قدم رکھتی اُسے یہ سب باتیں سُننی پڑتیں۔ اس لئے وہ بڑی احتیاط سے جاتی + اگر پانی لینے جانا ہوتا تو ایسے وقت گھر سے جاتی۔ جب سب لوگ کھانا کھانے کے بعد اپنے اپنے گھر میں آرام سے لیٹے ہوتے + بشویشور ایک روز اس بات کو تاڑ گیا۔ اُس نے سمجھا کہ چلو اچھا موقع ہے۔ گو وہ اس قسم کی خرابیوں کو بھی خوب سمجھتا تھا مگر کیا کرتا۔ اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا بچپن سے ہی اس کی عادات بڑی عجیب ہیں۔ نہ کبھی کسی کے ہاں جانا نہ کبھی کسی کے ہاں آنا۔ ہر وقت مُنہ بند کئے بُت کی طرح گھر میں بیٹھے رہنا + ہر وقت شرافت کا جامہ زیب تن رہتا ہے۔ دو منٹ کے لئے کسی سے جی کھول کر بات تک نہیں کرتا۔ ایسی حالت میں وہ کس طرح بھٹاچاریہ جی کے مکان پر گنگا کے سامنے جا کھڑا ہو؟ وہ لوگ اُسے اچانک وہاں دیکھ کر اپنے دل میں نہ معلوم کیا کیا سوچیں گے۔ اور اُن سے شرمانے کی معقول وجہ بھی موجود ہے۔ کیا وہ اپنی ہتک کو بھول گئے ہوں گے؟

دوپہر کے سناٹے میں بشویشور سیتلا مندر کے پاس گھوم رہا تھا جہاں تک نگاہ کام کرتی تھی کوئی نظر نہ آتا تھا۔ تھوڑی دیر بعد بشویشور نے دیکھا کہ ایک غریب لڑکی میلے کپڑے پہنے۔ اور ایک بڑا

گھڑا اٹھائے جس کے بوجھ سے اس کی پیٹھ جھک رہی تھی۔ آہستہ آہستہ چلی آ رہی ہے + بشویشور نے اسے پہچان لیا۔ اور اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے +

لڑکی نزدیک آگئی۔ بشویشور ہکا بکا کھڑا رہ گیا۔ اُسے ساوتری کو بُلانے کی جرأت نہ ہوئی۔ اُسے بہت شرم آئی۔ وہ چاہتا تھا کہ اگر ساوتری اُسے نہ دیکھتی تو اچھا ہوتا۔ اس حالت میں اُسے سامنے دیکھ کر ساوتری شرمائے گی۔ یہ سوچ کر وہ اپنی بے وقوفی پر پانی پانی ہوا جا رہا تھا + بائیں طرف پیپل کے نیچے جونہیں ساوتری کی نظر پڑی۔ اس نے دیکھ لیا۔ کہ بشویشور کھڑا ہے + پہلے تو شرم کے مارے اس نے سوچا کہ کھڑی ہو جاؤں۔ مگر پھر اپنا سر نیچے کو جھکا کر آگے بڑھ گئی +

بشویشور نے بھی اپنا مطلب سوچ لیا۔ اپنے دل میں کہنے لگا کہ اگر اب شرم سے کچھ نہ کہا تو پھر ایسا موقعہ ہاتھ نہ آئے گا + ہمت کر کے آگے بڑھا اور بولا "ساوتری"!

ساوتری چونک کر کھڑی ہو گئی۔ مگر پھری نہیں + بشویشور بولا "ذرا کھڑی رہو۔ تم سے ایک بات کہنی ہے۔ سُنتی جاؤ +

ساوتری کھڑی ہو گئی۔ اور مُنہ پھیر کر ایک دفعہ بشویشور کی طرف دیکھا۔ پھر آنکھیں نیچی کر کے بولی "کیا کہتے ہیں"؟ بشویشور اور بڑی مشکل میں پڑ گیا۔ وہ سوچنے لگا کہ کس طرح اپنے مطلب کا اظہار کروں

پھر تھوڑی دیر ٹھیر کر ساوتری کی طرف بڑھا۔ اور نہایت شیریں زبان سے بولا "تمہارے بھائی ہری آج کل گھر آیا کرتے ہیں"؟

"کبھی کبھی آتے ہیں"۔

"آج کل وہ کوئی کام دھندا کرتے ہیں"؟

ساوتری نے اُس کی طرف متعجب نگاہ سے دیکھ کر پوچھا۔

"کیسا کام"؟

"کوئی نوکری چاکری یا بنج بیوپار"۔

"شاید کرتے ہیں"۔

"ٹھیک ٹھیک نہیں بتلا سکتیں"؟

ساوتری نے سر جھکا کر جواب دیا۔ "نہیں"۔

بشو لیشور بڑی مشکل سے بولا "گھر کا آٹا دال انہیں کی کمائی سے چلتا ہے"؟

ساوتری خاموش ہو گئی۔ بشو یشور سمجھا کہ شاید ساوتری ناراض ہو گئی۔ پھر اُس نے شرم چھوڑ دی اور جلدی سے پوچھا "تم مجھے غیر مت سمجھو۔ اپنے محلّہ شہر کے آدمیوں کا حال سب لوگ معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ یہی وجہ میرے دریافت کرنے کی ہے۔ تمہیں بُرا نہ ماننا چاہیئے۔ کیا تم میرے سوال سے ناراض ہو گئی ہو"؟

ساوتری فوراً بول اُٹھی! "نہیں"۔

"تمہارے بھائی روپیہ دیتے ہیں؟ روپیہ کے بغیر دنیا کا کام نہیں چلتا

اس لئے بار بار پوچھ رہا ہوں" +
" ہاں کبھی کبھی دیتے ہیں" +
"اس سے گزارہ ہو جاتا ہے؟ کوئی تکلیف تو نہیں ہوتی"؟
ساوتری کو اب تاب نہ رہی اور بولی "نہیں - اب میں جاتی ہوں" +
ذرا اور ٹھہر جاؤ - تم صاف صاف کچھ نہیں کہتیں - اتنا کیوں شرماتی ہو؟ میں بھی تو تمہارا بھائی ہوں - مجھ سے کیوں نہیں کہتیں"؟
ساوتری نے اپنی بڑی بڑی ساکت آنکھیں اوپر کو اٹھا کر بشو لیشور کو دیکھا اور بولی "کیا آپ اپنے گھر کی حالت کسی سے بیان کرتے پھرتے ہیں؟ کیا اسی واسطے مجھ سے دریافت کرتے ہیں؟ آپ کو معلوم نہیں کہ اس قسم کی باتیں کسی سے نہیں کہی جاتیں" +
"بشو لیشور کھسیانا ہو گیا مگر چپ نہ ہوا - کہنے لگا یہ سب سے نہیں کہنا چاہئے - لیکن اگر کوئی دریافت کرے - تو اسے بتلانے میں کیا نقصان ہے"؟
" نقصان نہ سہی - فائدہ بھی کیا ہے؟ میں اب جاتی ہوں" +
"سنو ساوتری! اگرچہ میں غیر ہوں اور تمہارا کچھ نہیں لگتا - مگر پھر بھی میں تمہیں اپنی بہن سمجھتا ہوں - تمہیں شرم دلانے یا تمہاری ہنسی اڑانے کے لئے میں یہ باتیں دریافت نہیں کرتا - جس طرح اپنے عزیز و اقارب بے چین ہو کر دریافت کیا کرتے ہیں - میں بھی اسی

طرح معلوم کرنا چاہتا ہوں - اگر میں نے تم سے پوچھ لیا تو میں نے کوئی قصور نہیں کیا" +

اب تک ساوتری دل میں کڑھ رہی تھی - اب بشو لیشور کی ہمدردی کی باتیں سن کر اس کے دل کی جلن جاتی رہی - اس نے دیکھا کہ بشو لیشور کی بڑی بڑی آنکھوں میں آنسو بھر آئے ہیں + شرمندہ اور دکھی ہو کر اور اپنا سر نیچے جھکا کر ساوتری آہستہ سے بولی " مجھے معاف کیجئے - آپ نے پوچھا ہے کہ ہمیں کسی قسم کی تکلیف تو نہیں سو آپ سمجھ لیجئے کہ ہم اچھی طرح سے ہیں - دن بھلے ہوں یا برے نکل ہی جاتے ہیں - کبھی ٹھہرتے نہیں" +

بشو لیشور کا دل اداس ہو گیا - بشو لیشور مصنوعی ہنسی ہنس کر بولا " یہ میں جانتا ہوں - دن تو سبھی کے کٹ جاتے ہیں - کسی کے آرام سے کٹ جاتے ہیں اور کسی کے تکلیف سے" +

" ہم دونوں بہنیں مل کر بہت کام کرتی ہیں - ماں سے اب کام نہیں ہو سکتا - وہ اکثر بیمار رہتی ہیں - بھائی جب گھر آتے ہیں کچھ نہ کچھ دے کر ہی جاتے ہیں - اسی طرح گزارہ ہو جاتا ہے آج کل ہمیں کوئی خاص تکلیف نہیں ہے" +

بشو لیشور سمجھا کہ بدقسمت لڑکی ہے - جس روز سے پیدا ہوئی ہے لگاتار تکلیفیں اٹھا رہی ہے - اس لئے نہیں سمجھتی کہ دکھ کسے کہتے ہیں + تھوڑی دور جا کر بولا " جو کچھ تمہارے بھائی دیتے ہیں

تم وہ لیتی ہو۔ اگر میں بھی تمہیں اپنی چھوٹی بہن سمجھ کر کچھ دوں۔ یا تمہاری ماں کی خدمت کرنا چاہوں تو تم مجھے غیر سمجھ کر اسے واپس تو نہ کر دو گی"؟

ساوتری بڑی حیران ہوئی اور بولی۔ "میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ اماں یا جی جی کو معلوم ہوگا" +

"اچھا! یہ کاغذ اپنی ماں کے قدموں میں میری طرف سے نذر کر دینا" +

یہ کہہ کر بشولیشور قریب آیا۔ اور ساوتری کے پھٹے ہوئے دوپٹہ کے آنچل میں کاغذ کا ایک ٹکڑا باندھ دیا۔ ساوتری بے چین ہوا بولی۔ "نہ نہ یہ آپ کیا کرتے ہیں؟ مجھ سے یہ کام نہ ہو سکے گا۔ آپ کی یہ خواہش ہے تو آپ خود جا کر ماں کو دے آئیے۔ مجھے کیوں مشکل میں ڈالتے ہیں؟ مجھ سے نہ دیا جائے گا۔ آپ خود جائیں اور جو کہنا ہو کہیں.........."

اپنا کام کر کے بشولیشو کھسک گیا۔ اور کہنے لگا۔ "تم دے تو دینا پھر جب وہ مجھے بلائیں گی تو میں خود جا کر جو کہنا ہو گا۔ کہہ دوں گا۔ اچھا! اب تم گھر جاؤ۔ دیر نہ کرو۔ گھڑا بہت بوجھل ہے۔ تمہیں تکلیف ہو رہی ہوگی۔ اب دیر نہ کرو۔ جلدی جاؤ"۔

بات ختم کرتے ہی بشولیشور ہوا ہو گیا۔ اور وہاں سے چلا تو گھر پہنچ کر ہی دم لیا +

اگلے روز صبح جب بشو ایشور کسی کام کو موسی کے پاس آیا۔ تو اُس نے دیکھا۔ ساوتری ایک ٹوکری میں کچھ پھول لائی ہے۔ اور موسی بڑی محبت سے اُس کے ساتھ باتیں کر رہی ہے + بشو ایشور کو خیال آیا کہ شاید ساوتری مجھ سے ہی کچھ کہنے کو آئی ہے۔ لیکن وہ کون سی بات ہے؟ شاید اپنا کوئی دُکھڑا رونے آئی ہوگی؟ خوشی میں مگن ہو کر بشو ایشور اپنے کمرے میں جا بیٹھا۔ اور اُس کی راہ دیکھنے لگا + چند لمحوں کے بعد ساوتری کچھ پھول لئے اُس کی طرف آتی دکھائی دی۔ بشو ایشور پھولوں کا عاشق تھا۔ موسی ہر روز تھوڑے سے پھول اُس کے کمرے میں رکھ جاتی تھی۔ بشو ایشور سمجھا۔ آج موسی خود نہیں آئی۔ اُس نے ساوتری کے ہاتھ پھول بھیج دئے ہیں۔ موسی کا یہ کام اس کی مرضی کے مطابق ہی تھا + جب بشو ایشور نے دیکھا کہ ساوتری دروازہ پر کھڑی ہے۔ اور داخل ہونے میں پس و پیش کر رہی ہے۔ وہ فوراً نہایت شیریں لہجہ میں بول اُٹھا "آجاؤ۔ ساوتری"+

ساوتری کمرے میں چلی آئی۔ میز پر ایک کتاب کھلی پڑی تھی۔ اُس پر پھول رکھ دئے اور بولی "آپ کی موسی نے یہ پھول یہاں رکھنے کے لئے مجھے بھیجا ہے"+

"وہیں رکھ دو۔ تم موسی کو پھول ہی دینے آئی تھیں یا کچھ اور کام بھی ہے؟"

لڑکی کے زرد رخسار سُرخ ہو گئے۔ وہ سر جھکا کر بولی "ہاں

ہے۔ خالی ہاتھ آنا مناسب نہ سمجھ کر تھوڑے سے پھول لیتی آئی ہوں"+

یہ کہہ کر ساوتری نے ایک چھوٹا سا کاغذ نکالا اور پھولوں کے پاس رکھ دیا۔ بشویشور چونک اٹھا اور آگے بڑھ کر بولا "یہ کیا ساوتری؟"

"یہ آپ کا وہی نوٹ ہے۔ بہن نے کہا ہے۔ کہ ہمیں روپیہ کی ضرورت نہیں ہے۔ دنیا میں بہت سے لوگ ہم سے بھی غریب ہیں۔ اگر آپ انہیں دیں گے۔ تو وہ آپ کو دعائے خیر دیں گے۔ ہمیں ضرورت نہیں ہے"+

بشویشور کا بدن سن ہو گیا۔ کچھ دیر تک ایک بڑے مجرم کی طرح خاموش کھڑا رہا۔ پھر دبی آواز سے بولا "اور تمہاری ماں؟ انہوں نے کیا کہا؟"

"جی جی نے انہیں بتلانے سے منع کر دیا تھا۔ انہیں سن کر تکلیف ہوتی"+

"سن کر تکلیف ہوتی؟ نہیں۔ نہیں۔ تکلیف کیوں ہوگی؟ میں ان سے خود کہہ دوں گا۔ وہ ضرور قبول کر لیں گی"+

ساوتری بولی "آپ ایسا کبھی نہ کیجئے گا۔ جب جی جی نے کہہ دیا ہے۔ کہ ماں نہیں لیں گی۔ تو وہ کبھی نہیں لیں گی۔ جس طرح بہن کہتی ہے ماں اسی طرح کرتی ہے۔ آپ اگر انہیں کہیں گے تو یاد رکھئے آپ کو اور زیادہ تکلیف ہوگی۔ آپ یہ نوٹ رکھ لیجئے

میں نے آپ کو پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ ہمیں ضرورت نہیں ہے" +
ساوتری یہ کہہ کر چلی گئی۔ بشویشور اُسی جگہ بیٹھا رہ گیا +

دسواں باب

کسی بڑے اور شریف خاندان کے آدمی جب غریب ہو جاتے ہیں۔ یا زمانہ کی گردش کا شکار بن جاتے ہیں۔ تو اُنہیں اور تکالیف کے علاوہ اپنی عزت کا سب سے زیادہ فکر رہتا ہے + اچھی حالت میں آدمی دوسروں کا جو احسان بغیر لاج لحاظ یا پس وپیش کے قبول کر لیتا ہے۔ گردش کے زمانہ میں وہ احسان اُس کے دل میں تیر کی طرح چبھتا ہے۔ کانٹے کی طرح کھٹکتا ہے + جس بات سے زیادہ تکلیف ہوتی ہے۔ اُس کا آدمی کو خیال بھی زیادہ رہتا ہے + لوگ اصلی بات کو نہیں سمجھتے اور اِسے انکار کہتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ یہ غرور تو ضرور ہوتا ہے۔ مگر یہ غرور یا انکار انسان کی طرف نہیں بلکہ پرماتما کی طرف ہوتا ہے +

سردی کی رات ہے۔ سایہ بڑھتا بڑھتا رام شنکر کے گھر کے صحن تک آپہنچا۔ رسوئی مدت سے لیپی پوتی نہیں گئی۔ اس لئے کام کے قابل نہیں رہی + جگہ جگہ سے مکان کی اینٹیں نکل آئی ہیں۔

مٹی گر رہی ہے۔ سب چیزیں افلاس کا پتہ دے رہی ہیں۔ پھر بھی صحن صاف ستھرا ہے۔ تلسی کا چبوترا بھی مٹی سے لپا ہوا ہے۔ صحن میں سبزی بو رکھی ہے۔ اُس کی آڑی کیاری بہت عمدہ بنی ہوئی ہے + غور سے دیکھنے والے کو یہ بات اچھی طرح معلوم ہو جاتی ہے کہ غریبی کے نشانات چھپانے کی حتی الوسع کوشش کی گئی ہے۔ مگر بھلا وہ کہاں چھپتے ہیں!

کالی کھیلنے کے لئے باہر چلا گیا ہے۔ ستی نے کیلے کی راکھ سے کچھ کپڑے دھوئے ہیں۔ وہ انہیں کیلوں کے پتوں پر لٹکا رہی ہے ساوتری لکڑیوں کے کوٹھے میں سے کچھ چھوٹی چھوٹی لکڑیاں لے کر آئی ہے۔ اور سینکنے کے لئے آگ جلا رہی ہے + صحن میں دھواں بھر گیا ہے۔ گنگا نے تلسی کے چبوترے پر چراغ جلا کر اُسے پرنام کیا۔ اب وہ بہت دُبلی ہو گئی ہے۔ فکر کا بخار اُسے ہر وقت جلاتا گھلاتا رہتا ہے + لڑکیاں اس بات کو خوب سمجھتی ہیں۔ مگر پھر بھی یہ سوچ کر کہ ماں کی طبیعت خراب ہو گئی ہے۔ اُس کے علاج معالجے کا انتظام کرتی رہتی ہیں +

کالی باہر سے دوڑا دوڑا آیا اور ماں کے گلے لپٹ کر بولا:۔ "اماں۔ مٹھائی دے"۔ گنگا اُس وقت پرماتما کو پرنام کر رہی تھی۔ کالی کو ہاتھ سے جھٹک کر بولی:۔" اپنی بہن کے پاس جا" ساوتری نے پکارا:۔" او کالی! یہاں آجا۔ جی جی نے چھمی کو مٹھائی لینے بھیجا ہے۔ وہ آجائے تو لے لینا"+

لڑکا بہن کی گود میں بیٹھ گیا اور بولا:۔ آج نہ دوگی تو تمہیں خوب
پیٹوں گا۔" بھائی کے جسم پر سے گرد جھاڑتی جھاڑتی ساوتری بولی:۔
"نہیں ضرور دونگی۔ اچھا۔ یہ تو بتا کہ تو نے کپڑے کیوں نہیں پہنے؟
"کہیں پھٹے پرانے کپڑے بھی کوئی پہنتا ہے؟ بہن ہنسی اُڑاتا ہے۔ میں
اب وہ کپڑے نہیں پہنوں گا" + یہ "دیکھ جی جی نے سی کر بالکل ٹھیک
کر دیا ہے" +

کالی نے کپڑے کو اُلٹ پلٹ کر دیکھا اور پھر زمین پر پھینک کر
بولا:۔ کیا ٹھیک کر دیا ہے میں ایسا سیا ہوا کپڑا نہیں پہنتا" +

"میرا راجا! دیکھ تو یہی مارے سردی کے تیرے ہاتھ پاؤں
ٹھنڈے پڑے ہیں۔ تجھے جاڑا نہیں لگتا؟ اس وقت تو بہن ہنسی
اُڑانے نہیں آئے گا۔ لے پہن لے۔ گھر میں کون دیکھتا ہے"؟

لڑکے نے ایک نہ مانی۔ ہاتھ پاؤں چھڑا کر بھاگ گیا۔ ساوتری
پریشان ہو گئی۔ اُس وقت گنگا آگئی۔ اور اُس نے بیٹے کو گود میں
لے کر آنچل سے چھپا لیا۔ پھر اندر لے گئی۔ آنسو پونچھ کر ساوتری کسی
دوسرے کام کو چلی گئی + سوکھتے ہوئے کپڑوں کے نیچے کھڑی ہوگئی +

گنگا بھی ایک کہاری ہے۔ رام شنکر کے گھر والوں کو وہ بہت مانتی
ہے۔ جو کام یہ کہتے ہیں کر دیتی ہے۔ وہی ان کا کاتا ہوا سوت۔
رسیاں اور پھل پھول وغیرہ لے جا کر بازار میں بیچتی ہے۔ اور اس
سے جو کچھ ملتا ہے۔ اُس سے دال چاول وغیرہ خرید کر انہیں لا دیتی

ہے + وہ خود بھی مصیبت زدہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی مصیبت میں شریک ہوتی ہے۔ چھیمی کی بدولت کسی کو ان کی غریبی کا صاف طور پر پتہ نہیں لگتا +

سر پر ایک بڑا ٹوکرا رکھے چھیمی نے گھر کے اندر آکر آواز دی:۔

"ستی!" اس کی آواز کان میں پڑتے ہی کالی دوڑا ہوا باہر آیا اور بولا:۔

"جی جی۔ مٹھائی!"

"لائی ہوں بھائی۔ یہ لو۔ بھلا میں تمہاری مٹھائی کس طرح نہ لاتی؟"
یہ کہہ کر اس نے مٹھائی لڑکے کے ہاتھ میں دے دی۔ وہ بڑے مزے میں "اماں۔ یہ دیکھو" کہتا پھر اندر چلا گیا +

ستی آکر وہاں کھڑی ہو گئی۔ چھیمی نے سر پر سے ٹوکرا اتار کر رکھ دیا اور بولی:۔ "سردی کے مارے میں تو ٹھٹھر گئی۔ آگ ہے؟"

"نہیں"

"اچھا تو جاؤ۔ ذرا چراغ ہی لے آؤ۔ ساوتری کہاں ہے۔ چراغ لا رہی" +

ساوتری آہستہ آہستہ نزدیک آکر بولی:۔ "تیل لائی ہو تو دو۔ چراغ جلاؤں +

"بیٹی۔ میری بڑی بری حالت ہے۔ چلا نہیں جاتا۔ اس لئے رات ہو گئی۔ اور بازار کیا کہیں نزدیک ہے؟ تم ابھی جوان ہو۔ نئی نئی آنکھیں ہیں۔ مجھے تو اس وقت اندھیرے میں کچھ دکھائی نہیں

دیتا - اچھا - لے بیٹی - یہ تیل کی بوتل - چار پیسہ کا تیل آمنا دیا ہے؟ ذرا دیکھ تو سہی - جتنے چاول مہنگے اتنا ہی تیل مہنگا - ہر ایک چیز کا یہی حال ہو رہا ہے"+

ستی نے پوچھا! تھالی کا کیا ملا :

پھیمی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے - بولی :- "اس کی بات مت پوچھو بیٹی - اتنی بڑی تھالی کوئی ایک روپیہ کو بھی نہ لینا چاہتا تھا - خرید تے وقت تین روپیہ دینے پڑے تھے - سب کے سب لٹیرے ہیں"+

اسے دھیرج دے کر ستی نے کہا :- "بوا! پرانی چیزوں کا یہی حال ہوا کرتا ہے - خیر! یہ تو بتلاؤ کہ کیا ملا"؟

"میں ایک روپیہ سے کم کس طرح لیتی؟ آٹھ آنہ کا بابو کے لئے کپڑا لائی - باقی آٹھ آنہ کا دال چاول نمک وغیرہ لے آئی ہوں - سب کا حساب کر لو - پیسے نہ بچے ورنہ سن بھی خرید لاتی - اس روز بھی رسیاں بیچ کر جو آٹھ آنے ملے تھے ان کے چاول لے آئی تھی - سن اس روز بھی نہیں لا سکی تھی - اس دفعہ پھر وہی ہوا + ہاں تو اب روئی اور سن کس طرح خریدیں گے؟ گھر کے برتن بھانڈے کیا سب کے سب اسی طرح چلے جائیں گے"؟

"اب برتن بھانڈے باقی ہی کتنے ہیں؟ جو دو چار ہیں - اگر وہ بھی نہ رہے تو گزارہ کس طرح ہوگا؟ پرماتما جانے اب کیا ہوگا"+

ساوتری نے سب چیزیں لے جا کر گھر کے اندر رکھ دیں - اور اندر

سے دو پکے ہوئے کیلے لائی اور چھیمی کے ہاتھ میں دے کر بولی: "لو بوا! یہ گھر کے کیلے ہیں۔ ذرا کھا کر دیکھو"+

چھیمی بھرائی ہوئی آواز میں بولی: "رہنے دو۔ اپنی ماں اور بہن کے لئے رہنے دو۔ افسوس! برہمن کا گھر دنیا کی ساری چیزوں سے محروم ہو گیا! کیا کیا جائے؟"

"نہیں۔ بوا۔ تم لے جاؤ۔ اور بھی ہیں" ستی نے بھی بڑا اصرار کیا۔ لاچار چھیمی کچھ نہ بولی اور دونوں کیلے لے لئے اور گوالے کے گھر سے ایک لکڑی پر تھوڑی سی آگ لے کر چلی گئی+

اگلے روز صبح کالی اپنے کسی ساتھی کے گھر کھچڑی پکی دیکھ آیا اور اپنے گھر آکر اودھم مچانے لگا کہ "میں آج کھچڑی ہی کھاؤں گا"+

ساوتری مضطرب ہو کر بولی: "ارّاں! دال نہیں ہے"+

ستی بولی: "کالی! شور نہ مچا۔ میں کھچڑی بنائے دیتی ہوں"+

کھانے کے وقت ہلدی سے رنگے ہوئے چاول دیکھ کر پہلے تو لڑکا دھوکے میں آگیا۔ مگر جب وہ سمجھ گیا۔ تو رونے اور غل غپاڑہ کرنے لگا+ یہ حالت دیکھ کر ستی چپ چاپ ایک طرف کھسک گئی۔ اور گنگا بھٹاچاریہ جی کے سونے کی جگہ آنچل سے منہ ڈھانپ کر جا لیٹی+ ایلی ساوتری اپنے بھائی کو مناتی سمجھاتی رہی۔ مگر وہ کسی طرح نہ مانا۔ آخر تھک کر سو گیا+ یہ سوچ کر کہ اٹھ کر پھر دنگہ کرنے لگے گا اسے کسی نے نہ جگایا+ ستی نہا کر واپس آگئی۔ ساوتری نے صحن میں سے کچھ ساگ

سبزی توڑ کر پکانے کا انتظام کیا۔ جیٹھانی "ہرے کرشن" "ہرے کرشن" کہتی ہوئی اٹھی۔ اور گائے کو دو چار دس گالیاں سنا کر دودھ دوہ لائی۔ ستی بولی:۔ "ساوتری! جا دیکھ تو۔ گڑ کے برتن میں کچھ گڑ ہے اگر ہو تو دودھ میں تھوڑا سا گڑ اور چاول ملا کر کھیر سی بنا کر رکھ دے کالی بھوکا سویا ہے۔ کھیر دیکھ کر خوش ہو جائے گا"۔

جیٹھانی چیخ کر بولی:۔ "تمہیں بھی بس نوابی کرنی آتی ہے۔ غریب کے بیٹے کا یہ حال! کھانا ہو کھائے نہ کھانا ہو نہ کھائے۔ بھوک لگے گی تو جو کچھ ملے گا خود کھائے گا۔ گڑ کیوں خراب کرتی ہو؟" جیٹھانی کی باتیں سننے کی انہیں عادت پڑ گئی تھی۔ اس لئے وہ ناراض نہ ہوئیں۔ گڑ کا برتن دیکھ کر ساوتری بولی:۔ "نہیں بہن! گڑ نہیں ہے"۔ "رہے کس طرح؟ تم سب کی سب اَن پورنا ہو۔ گھر میں کوئی چیز کس طرح رہے؟ ہے پرمیشور! کہیں ایسا بھی گھر ہوتا ہے؟"

اول تو کھانے پینے کی تکلیف۔ دوم زبان کے تیر و تفنگ کی موسلا دھار بارش۔ کوڑھ پر کھاج ہو جاتا تھا! ستی چپ رہی اور رسوئی چھوڑ کر ماں کو بلانے چلی گئی۔ یہ دیکھ کر جیٹھانی تھوڑا سا گڑ نکال کر لائی اور بکتی جھکتی بولی:۔ "لڑکے کی بھوک کے خیال سے دئے بغیر نہیں [illegible] گیا۔ اس روز میں نے خالی پانی پی کر یہ تھوڑا سا گڑ بچا لیا تھا۔ رام رام! اس گھر میں کوئی کیا کھائے گا؟"

ستی نے جا کر ماں سے کہا:۔ "ماں۔ چل اٹھ۔ کچھ کھا لے"۔

گنگا نے آہستہ سے جواب دیا۔" مجھے آج کچھ بخار سا معلوم ہوتا ہے۔ میں کچھ نہیں کھاؤں گی۔ تم سب جا کر کھا پی لو۔"

ستی، ماں کا بدن چھو کر بولی:۔" اماں! ایسا بخار تو ہر روز ہی رہتا ہے۔ بغیر کھائے کتنے دن تک جی سکو گی؟ جتنا کھا سکو اتنا ہی کھا لو۔"

"نہیں بیٹی! میں نہیں کھاؤں گی۔"

ستی بھرائی ہوئی آواز میں بولی:۔" اس کے بعد تو قسمت میں فاقہ کشی لکھی ہی ہے۔ پھر پہلے ہی کیوں بھوکی مرتی ہو؟"

گنگا کو لاچار ہو کر کھانا کھانے جانا پڑا۔ اگرچہ وہ کچھ دیکھتی یا سنتی نہیں مگر اسے سب کچھ معلوم ہے۔ وہ خوب جانتی ہے کہ اس طرح زیادہ دیر تک گزارہ ہونا مشکل ہے۔ چنانچہ ہر وقت آتشِ فکر میں جلتی رہتی ہے۔ اُسے ہر روز بخار ہو جاتا ہے۔ اس بخار کا سبب بھی فکر کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

گھر میں جو کچھ تھوڑا بہت کھانے پینے کا سامان تھا۔ وہ دو ہی روز میں ختم ہو گیا۔ کھانے والے چار چار آدمی! خرچ اتنا اور آمدنی کا ذریعہ کچھ بھی نہیں! صبح اُٹھتے ہی کالی بولا:۔" اماں! کھانے کو دو۔ بھوک لگی ہے۔"

ستی چُپ چاپ بیٹھی تھی۔ اس کے ہاتھ پاؤں سُن ہو رہے تھے۔ لڑکا بولا:۔ بہن اُٹھ۔" تو آج چاول نہیں پکائے گی؟" ستی نہیں اُٹھی

لڑکا یہ دیکھ کر ماں کے پاس فریاد کرنے گیا۔ ستی ساوتری کو مخاطب کرکے بولی :۔ "ساوتری! دیکھ تو گھر میں کچھ روٹی بھی ہے یا نہیں"؟

"نہیں بہن"۔

"تو آج پکا روزہ ہے۔ ساوتری! کالی کو کیا کھانے کو دوں۔ آج ہاٹ بازار کا دن بھی نہیں ہے۔ نہیں تو چھیمی کو بھیجتی۔ وہ لوٹا بیچ لاتی۔ ہائے! اب میں کیا کروں!"

ساوتری بولی :۔ "بہن! اس طرح کتنے دنوں تک گزارہ ہوگا؟ اس سے تو اچھا وشویشور کا......"

ستی اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اور ساوتری کی بات کاٹ کر بولی :۔ "ہشت! اس کی نسبت بھوکے رہنا بہتر ہے"۔

ساوتری سر جھکائے بیٹھی رہ گئی۔ آخرکار بڑی آہستگی سے بولی :۔ "ہم بھوکی مر سکتی ہیں۔ مگر ماں اور کالی؟ انہیں تو بھیک مانگ کر بھی کھلانا چاہیئے"۔

"بھیک! ابھی نہیں۔ چند روز بعد۔ جس روز گھر بار چھوڑ کر درختوں کے نیچے رہنے کی نوبت آجائے گی۔ اُس روز سب کے آگے جھولی پسار کر بھیک مانگ لوں گی۔ تو ذرا لوٹا لادے۔ میں چھیمی کے گھر جاتی ہوں"۔

ساوتری فوراً چلا اُٹھی :۔ "جی جی! بھائی صاحب آگئے۔ ہری بھیّا۔" ہری شنکر بال بنائے چھڑی ہاتھ میں لئے بڑی شان بان سے

صحن میں آکر کھڑا ہو گیا - اور بولا :- "تم لوگ کیا کر رہے ہو"؟
"بھائی" "بھائی" کہہ کر ساوتری تو زور زور سے رونے لگی مگر ستی پتھر کی سورت بنی وہیں بیٹھی رہی +
"روتی کیوں ہو؟ کیا ہو گیا؟ ماں تو بالکل اچھی ہے"؟
ساوتری نے بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا :- "اچھی ہیں - مگر تمہیں اُن کا کیا فکر ہے؟ تمہارا کالی آج صبح سے بھوکا ہے - ماں کو ہر دم زنا فکر رہتا رہتا ہے کہ اُن کا بہت دن تک زندہ رہنا مشکل ہے - کیوں بھائی! کیا ہماری گئی گزری حالت کا تم کو کبھی خیال تک نہیں آتا؟
"میں کیا کر سکتا ہوں؟ پتاجی مجھے پڑھا لکھا کر پنڈت تو بنا ہی نہیں گئے جو سب کی خبرگیری کر سکوں - میں اپنی عقل سے کام کرتا اور کھاتا کماتا ہوں - ورنہ میری بھی یہی حالت ہوتی - یہ لو - دس روپے میرے پاس ہیں - دئے دیتا ہوں - میں تمہارا اُس طرح کا بھائی نہیں ہوں" +
روپیہ ہاتھ میں لے کر ساوتری بڑی عاجزی سے بولی :- "بھائی! مجھے معاف کرو - میں بڑی بُری ہوں - میرا سبھاؤ بہت خراب ہو گیا ہے" - یہ کہتے کہتے وہ رونے لگی +
بھائی نے جواب دیا :- "نہیں نہیں - رو مت - ممکن ہوا تو اگلے مہینے میں بھی ضرور آؤں گا - اِس گھر میں تو میں کھڑا نہیں ہو سکتا" +

"ماں سے مل کر جانا"+

"مل کر کیا ہوگا؟ تم کہہ دینا کہ میں آیا تھا"+

ہری یہ کہہ کر گھر سے باہر چلا گیا۔ ساوتری بولی :- "جی جی اُٹھ۔ میں چھیمی بُوا کو بُلا لاتی ہوں۔ وہ بازار جا کر کچھ سودا سلف لا دے گی"+

ستی اٹھ کھڑی ہوئی اور بولی:- "اچھا اُٹھتی ہوں۔ دیکھ ساوتری! اپنوں سے تو غیر ہی اچھے۔ مگر پھر بھی شرم غیروں سے ہی آتی ہے۔ اپنوں سے نہیں"+

ستی اب چند روز کے لئے بے فکر ہو گئی۔ انہیں تکلیف کی پروا نہ تھی۔ معمولی تکلیف کا وہ چنداں خیال نہ کرتی تھیں۔ مگر جب اس کی خطرناک شکل سامنے نظر آتی تھی تو انہیں تکلیف ہوتی تھی+ اُس وقت وہ گھبرا جاتی تھیں۔ جتنی محنت و مشقت ہو سکتی اتنی خوشی سے کرتیں۔ اور جو کچھ رُوکھا سوکھا مل جاتا وہی شوق سے کھا لیتیں+

اِس دفعہ انہوں نے روئی اور سَن کچھ زیادہ خرید لیا۔ بہت سے روپے انہیں چیزوں میں خرچ کر دئے۔ اس کے سوائے صرف وہی چیزیں بازار سے منگوائی گئیں۔ جن کے بغیر گزارہ چلنا مشکل تھا+ کالی پد کے پھٹے ہوئے کُرتے کی بات اُنہیں یاد تھی۔ اِس لئے اس کے واسطے ایک کُرتہ بھی خرید اگیا+

اگلے روز چھیمی سویرے سویرے آئی اور ستی سے بولی:- "کل بابو لوگوں کے گھر سبزی ترکاری بیچنے گئی تھی۔ اُن کی لڑکی کملا سسرال

سے آئی ہے۔ اُس نے تجھے ضرور ضرور آنے کی تاکید کی ہے۔ یہ بھی کہا ہے کہ اگر تو نہ جائے گی۔ تو اُسے بڑی تکلیف ہوگی"+

ستی نے دیکھا کہ کملا اُسے اب تک نہیں بھولی۔ اس سے اُسے ہنسی آگئی۔ مگر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ ہنسی رنج کی تھی یا خوشی کی+

وہ سوچنے لگی۔ کہ اگر دوپہر کے وقت جاؤں گی۔ تو بہت دیر تک بیٹھنا پڑے گا۔ اور کام دھندے میں بھی ہرج ہوگا۔ پھر بولی:۔ "میں ابھی جا کر کملا سے مل آؤں؟ ماں نے جواب دیا:۔ "جا مل آ"+

ستی کملا کے گھر پہنچی۔ ستی کو دیکھتے ہی کملا دوڑ کر اس سے بغل گیر ہوئی اور خوش ہو کر بولی:۔ "ستی! میری پیاری سہیلی! تو مجھے بھول تو نہیں گئی؟ کبھی یاد بھی کیا کرتی ہے"؟

ستی نے جب کملا کی طرف غور سے دیکھا تو وہ چونک پڑی + وہ اپنے دل میں کہنے لگی:۔ "کیا یہ وہی کملا ہے؟ دو سال ہوئے جس کا بدن سُکھ اور سہاگ سے چمک رہا تھا۔ وہ آج اتنی دُبلی پتلی اور اُداس کیوں ہے؟ یہ تو ہرگز وہ کملا نہیں ہو سکتی"۔ پھر بولی:۔ "کملا! تیری یہ حالت کیوں ہوگئی؟ بیمار رہی تھی کیا؟"

"بیمار" کہہ کر کملا ہنسی۔ بولی:۔ "میری بات جانے دے تیری حالت کے مقابلے میں میری حالت کا کیا ذکر ہو سکتا ہے؟ میں نے تو تیری شادی بھی نہیں دیکھی اور اب تجھے اس حال میں دیکھتی ہوں"+

"میرا یہ حال کوئی نئی بات نہیں سکھی! میں تو جیسی پہلے تھی

ی ہی اب ہوں"۔
"بے شک! تو یہ بات کہہ سکتی ہے۔ کیونکہ میں نے سنا ہے۔ کہ شادی
بعد تو نے انہیں ایک دفعہ بھی نہیں دیکھا۔ اور شادی میں دیکھنا
کچھ دیکھنے میں شامل ہے"؟
ستی بات کاٹ کر بولی:"خیر! یہ بات چھوڑ۔ یہ بتا۔ تجھے کیا ہو گیا۔
ے چہرہ کی رونق کیا ہوئی؟ رنگ روپ کہاں گیا؟"
"تو میری بات پوچھتی ہے اور میں تیرا منہ دیکھتی ہوں ستی! اس
شک نہیں کہ تو جیسی پہلے تھی ویسی ہی اب ہے۔ مگر جب میں
یہ بھیس دیکھتی ہوں تو جی چاہتا ہے اپنی آنکھیں بند کر لوں۔ اسے
ل جاؤں۔ بہن! تو نے کون سا پاپ کیا تھا۔ جو تیری یہ حالت
لئی"! ستی کے گلے لگ کر اس کے آنچل سے اپنا منہ چھپا لیا۔ ستی
کے بت کی طرح بالکل خاموش بیٹھی رہی۔ تھوڑی دیر بعد کملا نے
اوپر اٹھایا۔ ستی بولی:"پوس کے مہینے میں انہوں نے تمہیں کس
ح یہاں آنے کی اجازت دے دی؟
"مجھے یہاں آئے دو سال ہو چکے تھے۔ دیکھنے کو بہت جی چاہتا
ا۔ اس لئے چلی آئی۔ اور پھر اب میں چاہے جب آؤں جاؤں
نے مجھے روک ٹوک کرنے والا کون ہے"؟
"کیوں" تیرے سوامی؟
کملا کچھ ہنسی۔ ستی کو وہ ہنسی بڑی دردناک معلوم ہوئی۔ کملا

بولی :- "سوامی! میں ان کی کیا لگتی ہوں جو وہ مجھے روکیں گے؟ میرے خبرگیراں یا پُرسانِ حال ہوں گے؟ بہن! عورت تو پھولوں کا ہار ہوتی ہے۔ جہاں باسی ہوئی اُتار کر پھینک دی۔ ہماری کے دن قدر ہوتی ہے"؟

ستی سر جھکائے خاموش بیٹھی رہی۔ کملا پھر کہنے لگی :- "بہن! تو دُنیا کی لذت سے ناآشنا ہے۔ ایک طرح تو یہ بات اچھی ہی ہے لیکن سکھی! یہ سہنا نہیں برداشت ہوتا۔ اس وقت میری اور تیری حالت میں بہت فرق نہیں۔ پرماتما نے عورتوں کو صرف دُکھ بھوگنے کے لئے ہی پیدا کیا ہے۔ سُکھ اُن کے لئے بنایا ہی نہیں گیا........"

ستی کو یاد آیا کہ ایک روز وہ دروازہ پر کھڑی کالی بدکو بلا رہی تھی۔ اُس وقت نریندر زمیندار گھوڑے پر سوار اُدھر سے جا رہے تھے۔ اُنہیں دیکھ کر ستی ایک طرف کھڑی ہو گئی تھی۔ مگر نریندر نے اُسے بڑی بُری نگاہ سے دیکھا تھا جس سے اُس کے دل میں اُس کی طرف سے نفرت پیدا ہو گئی تھی + آج وہی بات ستی کو یاد آگئی اور اُس نے سوچا کہ کیا تعجب ہے جو کملا کا سُکھ ہمیشہ کے لئے جاتا رہا ہو! کچھ دیر تک اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد ستی بولی :-

"اچھا بہن۔ اب میں چلتی ہوں" +

"تھوڑی دیر اور بیٹھ جا۔ پھر نہ جانے کب ملاقات ہو گی"؟

ستی کانپ اُٹھی اور بولی :- "ایسی منحوس باتیں مت کر۔ تو جب

آئے گی میں پھر ملوں گی"۔

کملا ہنس کر بولی:۔ "میں یہ نہیں کہتی کہ میں مر جاؤں گی۔ میری ایسی قسمت کہاں؟ اس دفعہ آ کر دیکھ رہی ہوں۔ کہ تیرے پتا جی چل بسے۔ تو بھی بدھوا ہو گئی۔ اگلی دفعہ آ کر نہ معلوم کیا کیا دیکھنا پڑے گا!

تھوڑی دیر کے بعد ستی چلی گئی۔ وہ کملا کی حالت کے خیال میں غرق چلی جا رہی تھی۔ بائیں طرف بخشیوں کا احاطہ ہے۔ دائیں طرف بانس کھڑے ہیں۔ سردیوں کی نیز ٹھنڈی ہوا درختوں کے سایہ میں چھاؤنی چھائے پڑی ہے۔ ستی کو اپنے ارد گرد کا کچھ خیال نہیں ہے وہ سر جھکائے چپ چاپ چلی جا رہی ہے۔ عین اسی وقت کوئی شخص سامنے ٹھٹھک کر کھڑا ہو گیا اور چونک کر بولا:۔ "کون ہے؟ ستی"؟

ستی نے سر اٹھا کر دیکھا کہ وشویشور ہے۔ لحاظ کے مارے سر کا کپڑا ذرا اور نیچے کو لٹکا کر وہ ایک طرف کھڑی ہو گئی۔ تاکہ وشویشور نکل جائے تو چلے۔ وشویشور آگے بڑھا۔ مگر پھر رک گیا اور ایک دفعہ بڑی احتیاط سے اِدھر اُدھر دیکھ کر بولا:۔ "ستی! میں تمہارا بھائی لگتا ہوں۔ اگر میں تم سے کچھ کہوں تو کچھ ہرج تو نہیں"؟

ستی خاموش رہی۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ شرم خوف اور اور جذبات اس کے دل میں اودھم مچانے لگے۔ وشویشور پھر

بولا: "بہن کے ساتھ گفتگو کرنے میں تو کوئی عیب کی بات نہیں"۔
ستی نے بڑی مشکل سے جواب دیا:۔ "کیا کہو گے؟ جلدی کہو"۔
وشو لیشور بڑی سنجیدگی سے بولا:۔ "میں نے تمہاری ماں کی
خدمت میں کچھ نذر بھیجی تھی۔ تم نے وہ واپس کیوں کر دی"؟
"ضرورت نہ تھی"۔
"ضرورت ہو نہ ہو لیکن ستی اگر کوئی شخص بہ پریم یا بھگتی سے کسی
کے پاس کوئی چیز بھیجے تو کیا اُسے واپس کر دینا مناسب ہے"؟
ستی نے جواب دیا:۔ "جو لوگ لینے کے قابل ہیں وہ لے سکتے
ہیں کیونکہ اُن کے ہاں کسی قسم کی کمی یا ضرورت ہوتی ہے۔ اور
جہاں تک مجھے معلوم ہے۔ آپ اِس قسم کے لوگوں کے پاس
ایسی نذر یا بھینٹ نہیں بھیجتے ہوں گے۔ ہمیں غریب سمجھ کر آپ
نے امداد بھیجی تھی۔ بے شک ہم غریب ہیں۔ لیکن جب تک خود
اپنا گزارہ کر سکیں اُس وقت تک دوسروں کی دی ہوئی بھیک
کیوں قبول کریں"؟
وشو لیشور بہت دیر تک خاموش رہا۔ جب اُس نے دیکھا
کہ ستی چلنے لگی تو بولا:۔ "مجھے معاف کرو۔ میں نے تمہیں بھیک نہیں
دی تھی۔ میرا یقین کرو۔ میں نے صرف تمہیں محبت ...."
ستی بات کاٹ کر بولی:۔ "آپ بھی مجھے معاف کیجئے۔ آپ
ایسے خدا ترس رحم دل شخص کو میں نے ایسی سخت بات کہہ دی۔

لیکن اگر آپ ذرا غور کریں گے۔ تو آپ کو پتہ لگ جائے گا۔ کہ آپ نے اپنا فرض ادا کیا ہے اور میں نے اپنا + پر ماتما کی کرپا سے ابھی تک ہمارا کام کسی نہ کسی طرح چل ہی رہا ہے۔ جب دیکھوں گی کہ اب کسی طرح گزارہ نہیں ہوتا۔ اُس روز پھر آپ کا کیا ذکر ہے۔ ہر شخص کے آگے ہاتھ پسارنا پڑے گا" +

"ستی! مجھے معاف کرو۔ میں نے تمہیں اپنی بہن سمجھ کر یہ کام کیا تھا" +

"یہ بات مجھے معلوم ہے" +

ستی نے ذرا اور آگے بڑھ کر وشنو لیشور کی طرف دیکھا اور بولی۔ "معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو کبھی کبھی ہماری غریبی کا خیال آجاتا ہے۔ لیکن میں آپ سے کہنا چاہتی ہوں۔ کہ آپ یہ باتیں سوچ کر خواہ مخواہ اپنا دماغ خراب نہ کیا کریں۔ پرسوں بھائی صاحب آئے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کہیں ملازم ہیں۔ آپ آشیرباد دیں کہ وہ سدھر جائیں۔ پھر ہمیں کوئی تکلیف باقی نہ رہے گی" +

"میں دل سے آشیرباد دیتا ہوں۔ کہ وہ سدھر کر آدمی بن جائے اور تمہاری حالت ٹھیک ہو جائے۔ مجھے یہ سن کر بڑی خوشی ہوئی ہے۔ کہ اب اس کی چال ڈھال۔ رنگ ڈھنگ اچھا ہے +

ستی! میں سچے دل سے تمہیں یقین دلانا چاہتا ہوں۔ کہ تمہارے سلوک سے میں پہلے تو کچھ ناراض ہو گیا تھا۔ مگر اب میرا وہ خیال

جاتا رہا ہے - میں امید کرتا ہوں - کہ تم بھی اپنے دل میں میری طرف سے کوئی برا خیال نہ رکھو گے" +

گیارھواں باب

ماگھ کا مہینہ تو گنگا نے جوں توں کر کے گزار ہی دیا - مگر پھاگن چڑھتے ہی وہ صاحبِ فراش ہو گئی + اوّل تو مدت کی بیمار - دوم شدّت کی سردی - وہ برداشت نہ کر سکی + ماں کی ایسی خراب حالت دیکھ کر ستی کی آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا +

غریب کے گھر میں روٹی بڑی مشکل سے میسر آتی ہے + پھر بھلا علاج معالجے کا تو ذکر ہی کیا! تنگ دستی کے باوجود بھی گنگا کے علاج میں حتی الوسع کوشش ہونے لگی + ڈاکٹر نے دوا کے دام اور معائنہ کی فیس کا بل بھیجا - ستی نے محنت مشقت کر کے جو کچھ تھوڑا بہت جمع کیا تھا - وہ سب اِس بِل کے ادا کرنے میں تمام ہو گیا + کنبہ اب پھر لقمۂ افلاس بن گیا + گنگا بار بار اپنی لڑکیوں کو سمجھاتی تھی کہ "اگر اچھا ہونا ہو گا - تو میں یوں ہی بغیر علاج کے اچھی ہو جاؤں گی تم ایسی حالت میں اتنا خرچ کیوں کرتی ہو"؟ کبھی کبھی وہ اپنے گھر کا حال دریافت کرتی - اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کرتی - کہ کسی کو

کسی قسم کی تکلیف تو نہیں ہے + ایسے موقع پر ستی جواب دے دیا کرتی :۔" اماں! تم اتنا فکر کیوں کرتی ہو؟ اگر ہر وقت فکر میں گھلتی رہو گی تو بیماری بڑھ جائے گی۔ وقت کا کیا ہے۔ جس طرح آج تک گزر رہا ہے۔ آیندہ بھی گزر رہی جائے گا۔ بھائی صاحب کے آنے کی دیر ہے۔ اُن کے آتے ہی سب ضرورتیں رفع ہو جائیں گی۔ اگر دو ایک روز کوئی تکلیف ہو بھی تو کچھ پروا نہیں۔ ہم سہ لیں گے" +

فکرمند ہو کر گنگا نے جواب دیا:" تو خیر! ہری کے پاس خبر بھیج دو" +

"خبر بھیج دی ہے۔ دو ایک روز میں گھر آجائے گا" +

ستی نے ماں کو یہ نہیں بتایا۔ کہ جس آدمی کو اُس نے خبر دینے کے لئے ہری کے پاس بھیجا تھا۔ اُسے ہری نے گالی گلوچ دے کر واپس بھیج دیا + وہ دن بدن زیادہ ذلیل و خوار ہوتا جا رہا ہے اُس کا چال چلن بگڑ رہا ہے۔ اس آدمی کے واپس آجانے پر ستی نے سوچا۔ کہ ایک آدمی کو پھر ہری کے پاس بھیجنا چاہئے شاید آجائے۔ اِس لئے بہت کچھ سمجھا بجھا کر اُس نے کالی کو چھیمی کے ساتھ چاندپور بھیجا + چند گھنٹے کے بعد واپس آکر اُنہوں نے کہا۔" ہری چاندپور میں نہیں ہے۔ کلکتہ گیا ہوا ہے" +

ستی نے چُپ چاپ اپنی آنکھوں کے آنسو پونچھ لئے +

گھر میں جو کچھ لوہا۔ لکڑی۔ کانسی۔ پیتل۔ تھا۔ وہ سب ایک

ایک کر کے بازار میں چھمی کی معرفت بکنے لگا۔ بیچ کھوچ کر جو کچھ ملتا اُس سے بیمار کا علاج اور گھر کا خرچ چلتا۔ ایسی مصیبت کے باوجود بھی اُنھوں نے نہ تو کسی کے آگے دستِ سوال دراز کیا۔ اور نہ کسی کے آگے اپنا دُکھڑا رویا۔ اپنی غریبی کے خیال سے وہ کسی کے گھر نہیں جاتیں۔ اِس لئے اور کوئی بھی اُن کے گھر نہیں آتا۔ یہی وجہ ہے۔ کہ اُن کے گھر کا اصلی حال باہر کسی کو معلوم نہیں ستی حتی الوسع بڑی کفایت شعاری سے گھر کا خرچ چلاتی رہی جب کھانے پینے کی کمی ہو گئی تو دونوں بہنیں ایک وقت کھانا کھانے لگیں۔ تا کہ ماں کو تکلیف نہ ہو۔ مگر اس طرح بھی کام بہت دنوں تک نہ چل سکا۔

چیت کا مہینہ ختم ہونے کو آیا۔ گنگا کی حالت اب پہلے سے بہت اچھی ہے۔ مگر گھر کی حالت بہت خراب ہو رہی ہے۔ ستی اس کی چنداں پروا کرتی نظر نہیں آتی۔ ماں کا بیماری سے اُٹھنا اُس کے لئے اندھیرے سے روشنی میں آنا ہو گیا۔ لیکن اب ستی کو ایک اور فکر لاحق ہوئی۔ اُس نے سوچا کہ تندرست ہو کر اب ماں کو فاقہ کشی سے مرنا پڑے گا۔ ستی یہی باتیں سوچتی رہتی۔ ایک روز دونوں ہاتھ جوڑ کر پرماتما کے حضور میں ماتھا ٹیکے اپنی ماں کے بستر کے قریب ہی سو گئی۔

علے الصباح گنگا اُٹھ بیٹھی اور ستی کو بلانے لگی: "ستی! ستی! اُٹھ"

ستی گھبرا کر اُٹھ بیٹھی۔ اور آنکھیں ملتی ہوئی کہنے لگی :۔ "کیوں ماں! کیا ہو گیا؟"

"کچھ نہیں۔ بڑا منحوس خواب دیکھا ہے۔ دل بہت گھبرا رہا ہے ذرا میری چھاتی پر ہاتھ تو پھیر"۔ ستی ماں کی چھاتی پر ہاتھ پھیرنے لگی + بیٹی کے پژمردہ اور کملائے ہوئے چہرہ کی طرف دیکھ کر گنگا کہنے لگی:۔

"پیاری بیٹی! کہیں مصیبت میں گھبرا نہ جانا۔ سبھی دن برابر نہیں ہوا کرتے۔ مصیبت آنے پر پرماتما کو یاد کرو۔ وہی تکلیف سے نجات دیں گے" +

ستی نے دھیمی آواز سے جواب دیا:۔ "اماں! یہ بات اس وقت کیوں کہتی ہو؟"

"نہ معلوم میرے دل میں اِس وقت کیوں ایک عجیب سی ہل چل ہو رہی ہے"

ساوتری بھی جاگ اُٹھی۔ وہ تھوڑی دیر تک ماں کے قدموں کے قریب بیٹھ کر گھر کا کام دھندا کرنے کے لئے چلی گئی + کالی اُٹھ کر پہلے تو کھیلنے چلا گیا۔ مگر پھر تھوڑی دیر بعد واپس آ کر کہنے لگا:۔

"بہن۔ کیا کھاؤں؟ بھوک لگ رہی ہے" +

ستی نے کل چاول نہیں کھائے تھے۔ اپنی طبیعت کی ناسازی کا بہانہ کر کے بھائی کے لئے رکھ لئے تھے۔ انہیں بھون کر اور نان میں تھوڑا سا نمک ملا کر بھائی کو دے دئے + کالی کھانا کھا تا باہر

چلا گیا۔ پھر ستی نے ماں سے پوچھا:۔
"اماں! تمہیں بھوک تو نہیں لگی؟"
"نہیں"+
"نہیں کیوں؟ ضرور لگ رہی ہو گی۔ اُٹھو۔ مُنہ ہاتھ دھو کر اپنے کپڑے بدلو اور کچھ تھوڑا سا کھا لو"+
گنگلی نے ایک مرتبہ لڑکی کے مُنہ کی طرف دیکھ کر بڑی ملائمت سے کہا:" بیٹی! میں تو کسی نہ کسی طرح ضرور جیتی ہی رہوں گی۔ میری یہ سخت جان آسانی سے نکلنے والی نہیں۔ لیکن میری موجودگی میں میری آنکھوں کے سامنے تم اور کالی بھوکے مت مرنا۔ میں بغیر کھائے بھی زندہ رہ سکتی ہوں"+
ماں کی بات ان سُنی کر کے ستی نے اس کا ہاتھ مُنہ دُھلایا۔ اور کپڑے بدلوا کر پوجا کرنے کے لئے بٹھا دیا+ جیٹھانی حسب معمول ٹک جُھک کر کے گائے کا دودھ نکال کر نہانے چلی گئی۔ ستی نے سوچا۔ کہ جب تک گھر میں دودھ موجود ہے اس وقت تک ماں بھوکی نہیں مر سکتی۔ ساوتری سے بولی:" ساوتری! تو آگ جلا۔ میں نہا آؤں"+
ساوتری نے آہستہ سے کہا:۔"آگ کیا کرو گی"؟
"دودھ گرم کروں گی" یہ کہہ کر ساوتری نے گھڑا اُٹھایا۔ اور دروازہ کھول کر نہانے کے لئے جانے لگی۔ دروازہ کھولتے ہی اُس نے دیکھا کہ کوئی شخص ایک کاغذ کا ٹکڑا موڑ توڑ کر رسی سے باندھ کر لٹکا گیا

ہے۔ستی سوچنے لگی :-"یہ کیا ہے ؟ چٹھی تو نظر نہیں آتی ؟" پھر اُسے اُٹھالیا۔اور کھول کر دیکھا تو چٹھی ہی تھی + طرزِ تحریر اور خط سے ستی واقف نہ تھی۔مگر اُدھر اُس کا نام لکھا ہوا تھا +

چٹھی پر اپنا نام دیکھ کر اُس کی حیرت کی کوئی مد نہ رہی۔اور وہ کھڑی کی کھڑی رہ گئی + مگر جُوں ہی یہ خیال آیا۔کہ ماں بھُوکی پیاسی بیٹھی ہے۔ وہ اُس خط کو اینٹوں کی ایک دراز میں ٹھونس کر چلی گئی + ستی نہا کر گھر واپس آئی۔اور بھیگے ہوئے کپڑے ہی پہنے پہنے دودھ گرم کیا۔اور زبردستی تھوڑا سا ماں کو پلا دیا + گنگا نے بہت سے حیلے بہانے کئے۔مگر جب اُس نے ستی کی آنکھوں میں آنسو چھلکتے دیکھے تو آخر لاچار ہو کر دودھ پینا ہی پڑا +

ستی ماں کو دودھ پلا کر اُنہیں بھیگے ہوئے کپڑوں میں واپس گئی۔کل کے فاقہ سے اُس کے بدن میں جلن ہو رہی تھی۔اِس لئے اُس نے گیلے کپڑے نہیں اُتارے + اینٹوں کے اندر ایک دراز میں جو کاغذ ٹھونس گئی تھی۔اُسے نکال کر پڑھنے لگی۔خط کا سرنامہ پڑھ کر اُس کا سر جھک گیا + اُس نے بڑی کوشش سے اپنے تئیں ضبط کر کے خط کو شروع سے اخیر تک پڑھا۔چٹھی لکھنے والا کملا کا خاوند نریندر ناتھ زمیندار تھا + اُس میں نہایت ہی فحش الفاظ میں بہت سی ناشائستہ اور گندی باتیں لکھی ہوئی تھیں۔ان کی مصیبت میں اپنی دلی ہمدردی دکھلا کر اُس نے لکھا تھا۔کہ "اگر میرا کہا مان لوگی۔تو تمہاری تکالیف کا

ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو جائے گا" غصہ ۔ رنج ۔ تکلیف اور نفرت کے جذبات سے متاثر ہو کر ستی نے فوراً خط کے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے اور دوبارہ نہانے کو چلی گئی + ستی نے سمجھا کہ وہ خط بہت ناپاک چیز تھا ۔ اس لئے اُس نے پانی میں کئی دفعہ ڈبکی لگائی ۔ جب گھر واپس پہنچی تو ساوتری نے پوچھا :- "بہن! دوبارہ نہانے گئی تھی ؟ کوئی بُری چیز چھو لی تھی کیا ؟"

ستی نے جواب دیا :- "ہاں" ۔ پھر تھوڑی دیر خاموش رہ کر بولی :- "میری طبیعت آج خراب ہے ۔ میں تھوڑی دیر سوؤں گی" ساوتری نے پژمردہ چہرہ سے پوچھا :- "بہن! کالی کو کھانے کے لئے کیا دیں گے" ؟

"دودھ تھوڑا سا تو پی لے اور تھوڑا سا اُسے پلا دے" +

گیلے کپڑے اُتار کر ستی نے سُوکھی دھوتی پہنی ۔ اور ایک کمرہ میں جا کر اندر سے دروازہ بند کر لیا + اُس کے بدن میں واقعی بڑی جلن ہو رہی تھی ۔ جسم کے ہر حصے میں درد تھا ۔ آنکھیں مچی جاتی تھیں ۔ اِس لئے ستی کو آنکھیں بند کرتے ہی نیند آ گئی + نیند کا آنا تھا ۔ گویا دنیا کی جملہ تکالیف سے نجات مل گئی + جب جاگی تو سُنا کہ چونکہ کالی کو چاولوں کی بجائے دودھ دیا گیا تھا ۔ اس لئے وہ روٹھ گیا ہے ۔ اور دودھ پھینک کر رو رہا ہے ۔ اُس کے ساتھ ہی ساوتری بھی رو رہی ہے + ستی کانوں میں اُنگلی ڈال کر پتھر کے بُت کی طرح خاموش اور

بے حس و حرکت پڑی رہی +

تھوڑی دیر بعد کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا اور کہا۔ "بہن اُٹھ کر باہر آ"۔ ستی نے جواب نہ دیا۔ باہر سے پھر آواز آئی۔ "بہن آؤ نہ۔ دیکھو وشویشور بھیا کی موسی نے کیا بھیجا ہے" +

ستی نے اُٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ دیکھا۔ کہ ایک نوکر ایک ہاتھ میں پانی کا گھڑا اور دوسرے میں ایک بڑی بھاری گٹھڑی (جس میں اناج وغیرہ تھا) لئے کھڑا ہے۔ ستی نے آہستہ سے پوچھا۔ "یہ کیا ہے؟" "آج سنکرانت کا دن ہے۔ ماں نے دان دیا ہے۔ اور یہ اناج وغیرہ براہمنوں کے ہاں بھیجا ہے۔ اس لئے آیا ہوں" +

نوکر سب چیزیں رکھ کر چلا گیا۔ ساوتری کالی کو پھلوں پھولوں سے خوش کرنے لگی۔ اور ستی ضروری سامان لے کر کھانا پکانے کے لئے رسوئی میں چلی گئی + اُس کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔ وہ بھی آگ کی طرح گرم تھے + پرماتما جانے یہ پاک آنسو کس کے نام پر بہائے گئے تھے +

دو تین دن گزر گئے۔ ستی کو اُسی جگہ پھر ایک خط ملا۔ اُس میں طرح طرح کی ترغیبیں اور لالچ دئے گئے تھے + ستی نے اُسے بھی پڑھ کر پہلے کی طرح چاک کر کے پھینک دیا۔ اور چپ ہو رہی + اُس نے ساوتری تک کو بھی اس بات سے آگاہ کرنا مناسب نہ سمجھا تاکہ وہ ڈر نہ جائے +

معلوم ہوتا ہے کہ اَن پورنا دیوی نے اس سال بسیا کھ میں برتوں کا ٹھیکہ لے لیا ہے۔ دو چار دن نہیں گزرنے پاتے کہ رام شنکر کے گھر کھانے پینے کا سامان اور پانی کا گھڑا پہنچ جاتا ہے + ستی نے سوچا کہ غریبی بھی مشک کی طرح ہے۔ ہزار کوشش کرو پر اس کی بو چھپائے نہیں چھپتی۔ لوگوں کو پتہ لگ ہی جاتا ہے + سب کچھ جانتی تھی۔ مگر لاچار خاموش رہی۔ کیونکہ غریبی کے ساتھ لڑتی لڑتی بے چاری حیران ہو گئی تھی۔ اب زیادہ برداشت کرنے کی تاب نہ رہی تھی + آج کل جب ذرا کھانے پینے کی طرف سے بے فکری ہوئی تو اُس کا دھیان اور باتوں کی طرف گیا۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایک منٹ کے لئے بھی بے فکر ہونا اُس کی قسمت میں نہ تھا۔ ایک روز اچانک نارایور کی کوٹھی کے منیب نے مبلغ تین سو روپیہ زرِ اصل اور اُس کے سُود کی ادائے گی کا تقاضا کیا۔ اور کہلا بھیجا کہ اگر جلدی حساب بے باق نہ کیا گیا۔ تو گھر بار نیلام کرا دیا جائے گا +

اُس روز گنگا کی یہ حالت تھی۔ کہ چارپائی سے اُٹھنے کی طاقت نہ تھی۔ مگر یہ سوچ کر کہ اُس کے کھائے بغیر دونوں لڑکیاں کچھ نہ کھائیں گی۔ اُٹھی اور دو چار لقمے کھا کر پھر جا سوئی + فکر کے مارے اُسے سردی لگ کو بخار چڑھ گیا + ساوتری تو مُنہ جھکائے ماں کے پاس بیٹھی رہی۔ مگر ستی نہ بیٹھ سکی۔ اُس نے ایک خراب خستہ کمرے میں جا کر اندر سے دروازہ بند کر لیا۔ مگر سونے کی غرض سے نہیں؟

وہ سوچنے لگی۔ کہ یہ مصیبت کس کی بدولت سر پر آئی۔ یہ ستیاناس سب کے پیٹ نے نہیں کرایا۔ یہ صرف میری بدولت ہوا ہے۔ میرے سکھ سہاگ کی خاطر ماں باپ اس طرح سے بے گھر بے در ہو بیٹھے۔ اُن کے لئے دُنیا میں کوئی پناہ نہ رہی۔ صرف مجھے خوش کرنے کے لئے وہ خود اس مصیبت میں گرفتار ہو گئے۔ اب اس وقت کون ہے۔ جو ہمیں ڈھارس دے گا؟ میں کس سے جا کر کہوں۔ کہ کچھ سو روپیہ دے کر ہم فقیروں۔ غریبوں کو اس قرض سے سبکدوش کیجئے۔ کیا دنیا میں کوئی ایسا نیک دل خدا ترس آدمی موجود ہے؟ اگر ہو بھی تو کون ایسا بے شرم ہے۔ جو اُس کے سامنے جا کر دستِ سوال دراز کرے؟ پھر ستی کے دل میں خیال آیا۔ کہ کہنے سُننے پھرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ جسے مدد دینا منظور ہو گا وہ خود آکر خبر لے گا۔ افسوس! لعنت ہے ایسی زندگی پر! کیا فقیروں کی طرح بھیک مانگ کر اس زندگی کو قائم یا برقرار رکھنا ہو گا؟ کیا اور کوئی بھی طریقہ ممکن نہیں ہے؟..........."

ستی انہیں خیالات میں ڈوبی ہوئی تھی۔ کہ ساوتری بولی:-

"بہن۔ بارش آگئی ہے۔ باہر سے کپڑے اُتار کر اندر رکھ دے میں یہاں ماں کے پاس بیٹھی ہوں"+

ستی نے دروازہ کھول کر دیکھا۔ کہ جس طرح اُس کے دل میں ہل چل مچی ہوئی ہے۔ اُسی طرح نیچر بھی اس وقت قیامت کا نمونہ

بن رہی ہے۔ کپڑے اُتارتے وقت اُسے یاد آیا۔ کہ آج گھر میں پانی نہیں ہے۔ اور بارش کے جلد بند ہونے کے کوئی آثار نظر نہیں آتے پاس والے کنوئیں کا پانی خراب ہو گیا ہے۔ وہ پینے کے قابل نہیں رہا۔ اس لئے گھڑا لے کر ستی ندی کو چل دی + جونہی ساوتری کی نظر اُس پر پڑی وہ بول اُٹھی :۔"معلوم ہوتا ہے پانی نہیں رہا۔ لا گھڑا مجھے دے دے۔ میں لے آؤں گی"+

"نہیں۔ میں لئے آتی ہوں۔ تو ماں کے پاس بیٹھی رہ"۔ یہ کہکر ستی چلی گئی۔ ستی پانی میں اُتری اور گھڑا بھر کر جونہی اُسے اُٹھانے لگی تو وہ کچھ دیکھ کر سہم گئی۔ اُس نے دیکھا کہ سامنے کنارے پر کوئی آدمی کھڑا ہے۔ ستی پہلے اُسے پہچان نہ سکی۔ پھر ترچھی نظر سے غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ نریندر زمیندار ہے +

مارے خوف کے ستی نے چاہا کہ چلّائے مگر زبان نے یارا نہ دیا قوّت گویائی ایکدم جاتی رہی + وہ چُپ چاپ پانی میں کھڑی کھڑی کانپنے لگی +

نریندر ہنس کر بولا :۔"اے نازنین! ڈرتی اور گھبراتی کیوں ہو؟ میں نے تمہیں دو خط بھیجے۔ مگر تم نے ایک کا بھی جواب نہیں دیا۔ کیوں؟"

ستی نے بڑی ہمت کر کے آہستہ سے جواب دیا :۔"اگر بھلا چاہتے ہو تو فوراً یہاں سے چلے جاؤ۔ ورنہ میں چلّاتی ہوں"+

"نہیں۔ نہیں۔ یہ کیا بے وقوفی کی باتیں کر رہی ہو۔ میں نے تو سنا تھا کہ تم بڑی عقل مند ہو۔ ہاتھ میں آئی ہوئی لکشمی کو پاؤں سے یوں دھکیل رہی ہو؟ تمام مصائب سے نجات مل جائے گی۔ رانی بن کر رہو گی۔ میں نے سنا ہے۔ کہ کل تمہارا مکان قرق کیا جائے گا۔ پھر تم کہاں جاؤ گی؟ میری بات منظور کر لو۔ پھر تمہیں۔ تمہاری ماں بہن یا بھائی کو ہرگز کوئی تکلیف نہ ہو گی۔"

ستی پانی میں کھڑی بید کی طرح تھر تھر کانپ رہی تھی۔ اُسے معلوم ہوتا تھا۔ کہ مجسم پراج اس کے سامنے موجود ہے۔ شیطان پھر بولا: "بتلاؤ۔ کیا کہتی ہو؟ کیا منظور ہے؟ ماں۔ بہن اور بھائی سب کو لے کر در در بھیک مانگنا بہتر ہے۔ سب کا بھوک کے مارے مر جانا اچھا ہے۔ یا میری بات منظور کر لینا مناسب ہے۔"

ستی نے دونوں ہاتھوں سے اپنا منہ چھپا لیا۔ نریندر نے دیکھا کہ اس کی تجویز رفتہ رفتہ کارگر ہو رہی ہے۔ آہستہ آہستہ اُس کا اثر ہو رہا ہے۔ اُس کا حوصلہ بڑھ گیا اور پھر بولا: "مجھے ہری کی زبانی تمہارے حالات کا پتہ لگتا رہتا ہے۔ جس روز سے میں نے تمہیں دیکھا ہے۔ میں تمہارے نام کی مالا جپ رہا ہوں۔ جب تک تمہاری حالت اچھی تھی اُس وقت تک تم کسی کی دی ہوئی کوئی چیز قبول نہ کرتی تھیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ اب تک میرا کچھ کہنے سُننے کا حوصلہ نہیں ہوا۔ اگر تم میری ہونا منظور کر لو تو یقین مانو

تمہاری سب تکالیف دور ہو جائیں گی - تم اس بلا میں گرفتار رہو -
مجھے بتلاؤ کتنے روپے کی ضرورت ہے - میں ابھی دے دوں گا"
ستی گڑگڑا کر بولی :" تم یہاں سے فوراً چلے جاؤ - ابھی چلے
جاؤ - ورنہ یاد رکھو میں ابھی ندی میں ڈوب کر مر جاؤں گی" +
" اچھا لو میں اب جاتا ہوں - اگر کہو تو کل اس وقت پھر آؤں گا
سخت آندھی آنے والی ہے - جاؤ - فوراً گھر چلی جاؤ" +
ستی نے جواب دیا " جب تم یہاں سے چلے جاؤ گے میں اُس
وقت پانی سے باہر نکلوں گی" +
" کیوں - میں کیا سانپ ہوں - جو قریب آنے سے ڈس لونگا؟
اچھا - لو میں جاتا ہوں" +
بد معاش نریندر ہنستا ہوا چلا گیا + ڈر سے سہمی ہوئی اور تھر
تھر کانپتی ہوئی ستی ایک لحظہ کے لئے پانی میں بیٹھ گئی + اس وقت
اُس کی عجیب حالت ہو رہی تھی - اُسے معلوم ہوا کہ بنی نوع انسان
کو جڑ سے فنا کر دینے والا شیطان آدمی کی شکل اختیار کر کے اُسے
اپنے مکر و فریب میں پھنسانے آیا ہے - ستی کی طاقت نہ تھی کہ اُس کا
مقابلہ کر سکے - ستی کو نظر آیا - کہ راکھشسوں کے گروہ اس کے آگے
پیچھے ناچ رہے ہیں - ستی ڈر گئی - اور اُسے اپنی انگلی تک ہلانے
کی ہمت نہ ہوئی +
جُوں ہی ستی کی آنکھیں اوپر کی طرف اُٹھیں - اُس نے دیکھا کہ

کوئی شخص دوڑتا ہوا جا رہا تھا۔ مگر اچانک رُک گیا۔ اُس نے ترچھی نگاہ سے ستی کو سر سے پاؤں تک دیکھا۔ اور حیران رہ گیا۔ تھوڑی دیر تک اِدھر اُدھر دیکھتا رہا۔ پھر لمبے لمبے قدم بڑھاتا ہوا چلا گیا۔ ستی نے پہچان لیا۔ کہ وہ بشویشور ہے۔ اُسے خیال آیا۔ کہ بشویشور نے نریندر کو اِدھر سے جاتے ضرور دیکھ لیا ہے۔ اس کے جی میں آیا۔ کہ ابھی پانی میں ڈوب مروں۔ بچانے والا کون ہے۔ لیکن پھر اپنی اس خواہش کو روک کر ستی دانت پیستی ہوئی گھر کو چلی گئی۔ اب اُس کے بدن میں رعشہ یا کپکپی نہیں رہی۔ اُس کا ارادہ چٹان کی طرح مضبوط ہو گیا۔

جب وہ گھر پہنچی۔ تو ساوتری اُسے دیکھ کر فکرمند ہو کر بولی:-

"بہن! اتنی دیر کیوں ہو گئی؟"

"میں گھاٹ پر گئی تھی"۔

"تیرے کپڑے گیلے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ تو نہائی بھی تھی"۔

"ہاں"۔

یہ باتیں سُن کر گنگا دیوی نے دردناک آہ بھری۔

اگلے روز صبح کے وقت گنگا نے ساوتری کو مخاطب کر کے کہا:-

"رات آندھی سے سب آم جھڑ گئے ہیں۔ کچھ آم اور بیلے کے پھول بشویشور کی موسی کو دے آ"۔

ساوتری ماں کے حکم کی تعمیل کرنے کو چلی گئی۔ جب وہ واپس

آئی تو اُس نے اپنی ماں سے کہا :۔ اماں! وہ اکھشئے تیج کا اشنان کرنے کے لئے گنگا جی جائیں گی۔ کہتی تھیں۔ کہ اگر تمہاری ماں کی طبیعت اچھی ہو۔ تو میں تمہاری ماں یا بہن کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتی ہوں۔ اماں! وہ میرے ساتھ بہت اچھی طرح پیش آتی ہیں بڑے پیار سے بولتی ہیں۔ مگر مجھے وہاں جاتے بڑا لحاظ آتا ہے"+

گنگا چپ ہوگئی۔ ستی کے ابرو ٹیڑھے ہوگئے +

بارھواں باب

کچھ عرصہ سے بشنو لیشور نے کوٹھی والوں کے ساتھ کاروبار کرنا بند کر دیا ہے۔ اس کی وجہ صرف یہی ہے۔ کہ اُن لوگوں کے ساتھ اُس کے خیالات نہیں ملتے+ کوٹھی کی شراکت چھوڑنے کے بعد اُس نے غلہ کی آڑھت کا کام شروع کر دیا ہے۔ اور رفتہ رفتہ نئی جائداد خرید کر اپنا کام بڑھانے کی کوشش کر رہا ہے۔ علاوہ ازیں اُس نے فراش ڈانگا کی طرف سے کئی کاری گر جلاہوں کو بلا کر اپنے گاؤں میں بسا یا ہے۔ اور اُن سے کپڑا بنوانے لگا ہے+ یہ جلاہے بہت نفیس کپڑا تیار کرتے ہیں۔ جس کی فروخت کے لئے

کلکتہ میں ایک دُکان اعلےٰ پیمانہ پر کھولی گئی ہے۔ وہ خوب منافع سے چل رہی ہے + بشو لیشور ہر وقت انہیں کاموں میں مشغول رہتا ہے۔ اُسے کسی وقت فرصت نہیں ملتی۔ توسیع کاروبار کی طرف اُس کا دھیان اس لئے ہے۔ کہ زیادہ آمدنی ہو سکے۔ کیونکہ بچپن میں جا کر حتی المقدور کار خیر کرنے کا خیال اب تک بشو لیشور کے دل سے نہیں گیا +

اس کے گاؤں میں بھی بہت سے غریب آدمی بستے ہیں۔ بشو لیشور کو اُن کا خیال ہے۔ وہ اُن کی طرف سے بے فکر نہیں۔ مگر وہ لوگ کسی نہ کسی طرح اپنا گزارہ کر ہی لیتے ہیں۔ ستی نے بشو لیشور کو خوب جتلا دیا ہے۔ کہ بغیر طلب کئے کسی کو امداد دینے کا کیا نتیجہ ہوا کرتا ہے۔ اس لئے اب بشو لیشور اپنے گاؤں کے غریبوں کی طرف زیادہ توجہ نہیں کرتا۔ اور اپنے کاروبار کی اُدھیڑ بُن میں مصروف رہتا ہے +

بشو لیشور موہنی کو گنگا جی کا اشنان کرا کے پانچ دن کے بعد گھر واپس آیا۔ گھر پہنچتے پہنچتے شام ہو گئی۔ موہنی کھانا پکانے لگی اور بشو لیشور اپنا کپڑے کا کارخانہ اور ساڑھت کی دُکان دیکھنے چلا گیا۔ سب کام ٹھیک ٹھیک چل رہا تھا۔ جب بشو لیشور کھانا کھانے لگا۔ تو اُس نے دیکھا۔ کہ موہنی آج بہت غمگین نظر آتی ہے۔ اُس کا چہرہ اُداس ہو رہا ہے۔ اُس نے پوچھا۔ "موہنی! کیا ہوا؟"

"کچھ بھی نہیں - بیٹا!" کہہ کر اُس نے ایک لمبی آہ بھری - مگر چونکہ سرد لمبی آہیں کھینچنا اس کے لئے کوئی نئی بات نہ تھی - اس لئے بشویشور چُپ چاپ کھانا کھانے لگا + کچھ دیر تک خاموش رہ کر موسی بولی:-

"اُف! دیکھنے سے بھی دُکھ ہوتا ہے" +

"موسی! کسے دیکھ کر دُکھ ہوتا ہے"؟

"رام شنکر جی کی لڑکیوں کو - ستی تھوڑی دیر ہوئی مجھے پرنام کرنے آئی تھی" +

"ستی! انہیں پرنام کرنے؟ کیا مطلب"؟

بشویشور نے اپنی ابروؤں میں ذرا خم ڈال کر اپنی موسی کی طرف دیکھا - اَن پورنا بولی:- "آئی تو کیا نقصان ہو گیا؟ چونکہ میں گنگا جی نہا کر آئی ہوں - اس لئے اُس کی ماں نے مجھے دیکھنے کو بھیجا ہوگا" +

بشویشور خاموش ہو رہا - بے دلی سے کھانا کھا کر سونے کے کمرہ میں چلا گیا + پرماتما جانے کون سا پیچیدہ مسئلہ حل کرنے میں مصروف تھا +

اَن پورنا نے اُس کے کمرہ میں آکر کہا:- "چراغ میں تیل نہیں ہے لا اُس میں تیل ڈال کر جلا دوں" +

"میں سوتا ہوں - اب روشنی کی ضرورت نہیں ہے" - یہ کہہ کر بشویشور چُپ ہو کر پڑ گیا - جو سوال اُس کے سامنے موجود تھا - وہ

اُسے حل نہ کر سکا۔ اور ناممکن سمجھ کر سونے کی تیاری کرنے لگا+
جب صبح آنکھ کھلی تو ہاتھ مُنہ دھوتے ہی اس بات کا فیصلہ کر لیا کہ آج سب سے پہلے کون سا کام کرنا ہے۔ پھر ایک مرتبہ ان کتابوں کے ڈھیر کی طرف دیکھا۔ جنہیں وہ آج کل کبھی چھُوتا تک نہیں+ کتابوں پر نظر پڑتے ہی اُس نے دیکھا۔ کہ کسی نے سنسکرت علم ادب کی کتاب کے اوپر ایک انگریزی فلسفہ کی کتاب کو رکھ دیا ہے۔ "یہ میرے ہاتھ کا کام نہیں ہو سکتا۔ موسی بھی کبھی اِس کمرہ میں نہیں آتی۔ کتاب کی جلد کچھ اوپر کی طرف کو اُٹھی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ شاید اس کے اندر کوئی چیز رکھی ہوئی ہے"۔ بشو لیشور نے جلد کھولی۔ اور دیکھا کہ اس میں ایک خط رکھا ہوا ہے۔ اُس پر یہ پتہ درج ہے:۔ "بخدمت بابو بشو لیشور ناتھ صاحب"۔ تحریر زنانہ معلوم ہوتی تھی۔ بشو لیشور سوچنے لگا۔ کہ یہ خط کس نے لکھا ہے۔ جلدی جلدی لفافہ کھولا۔ پڑھنا شروع کرتے ہی اُس کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اور اُس کے دل میں طرح طرح کے خیالات اُٹھنے لگے+ جُوں ہی دل کی حالت ذرا ٹھیک ٹھکانے ہوئی۔ وہ خط کو شروع سے پڑھنے لگا۔ خط کا مضمون حسب ذیل تھا:۔

" پرنام! آپ اس خط کو پڑھنا شروع کرتے ہی حیرت کے سمندر میں غوطے کھانے لگیں گے۔ اور آپ کو یہ معلوم کرنے کی خواہش ہوگی۔ کہ یہ خط کس نے لکھا ہے۔ اس لئے میں آپ کو پہلے ہی مطلع

کر دینا چاہتی ہوں - کہ میرا نام ستی ہے - جب میں خط لکھنے بیٹھی تھی اس وقت ایسا معلوم ہوتا تھا - مجھے بہت کچھ لکھنا ہے - مگر اب سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا لکھوں - لکھنے کو پھر بھی بہت سی باتیں ہیں لیکن سوچ رہی ہوں - کہ انہیں کس طرح شروع کروں - مجھے خوف ہے کہ میں کہیں کچھ کا کچھ نہ لکھ بیٹھوں - لیکن اب شرم وحیا کیسی؟ جو کچھ قلم سے لکھا جائے گا - وہی لکھ دوں گی - عبارت کے درست ہونے کی فکر نہیں - اگر میں آپ کو خط نہ لکھتی تو بھی چنداں مضائقہ نہ تھا - کیونکہ میں نے جو کام کرنے کا ارادہ کیا ہے - اس کے لئے صفائی کا گواہ رکھنے کی ضرورت نہ تھی + اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے لئے میں کسی کو کچھ نہیں کہنا چاہتی - آپ میرے رنج و راحت کے شریک اور مونس وغمخوار بھی نہیں ہیں - کہ آپ کو بتلائے بغیر گزارہ نہیں ہو سکتا دنیا کی نظروں میں گنہگار اور مجرم ہو کر جاتی ہوں - لیکن نہ معلوم میرا دل یہ سب باتیں آپ سے صاف صاف کہنے کے لئے مجھے کیوں مجبور کر رہا ہے؟

" آج پانچ روز ہوئے - جس دن بڑی زبردست آندھی آئی تھی - سہ پہر کے وقت کا ندی کا واقعہ آپ کو بھولا نہ ہو گا - اس وقت جس شخص کو آپ نے اپنے آگے جاتے دیکھا تھا - وہ چاندپور کا زمیندار نریندر ناتھ تھا - اور جو عورت پانی میں بیٹھی تھی - وہ میں تھی - مجھے یقین ہے - کہ آپ یہ اسی وقت سمجھ گئے تھے - لیکن شاید

آپ نے اس بات پر غور نہیں کیا۔ کہ اُس روز ایسا جوگ سنجوگ کس طرح ہو گیا تھا۔ یا ممکن ہے۔ اور لوگ اس قسم کا منظر دیکھ کر جو نتیجہ نکالتے ہیں۔ وہی آپ نے بھی نکال لیا ہو۔ لیکن کیا آپ نے غور کر کے دیکھا ہے۔ کہ ایک شریف گھرانے کی لڑکی اس قسم کے مذموم فعل کی مرتکب ہو سکتی ہے؟

مَیں یہ باتیں اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے لئے نہیں لکھتی اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ مَیں اُس بدمعاش کی ترغیب میں آگئی ہوں۔ اُس کے جال میں پھنس گئی ہوں۔ اب یہ میری طاقت میں نہیں۔ کہ مَیں اپنے تئیں اُس سے بچا سکوں۔ یا اُس کے پھندے سے نکل سکوں۔ خیر! سنئے۔ مَیں نے بھی اُس کو ٹھگ لیا ہے۔ اُسے خوب پھانس لیا ہے۔ وہ کس طرح؟ وہ جو کچھ چاہتا تھا۔ میں نے اُسے اُس سے بھی زیادہ دینے کا ارادہ کر لیا ہے۔ وہ صرف میرا جسم طلب کرتا تھا۔ لیکن میں اپنی آتما اپنی روح بھی اُس کی نذر کر رہی ہوں۔ زیادہ سے زیادہ وہ میرا یہ جنم ناپاک یا خراب کرتا مگر مَیں اُس دوزخ کے دربان کے قدموں میں اپنا یہ جنم اور اگلا جنم سورگ اور نرک۔ دُنیا اور عاقبت سب کچھ قربان کرتی ہوں۔ سوچتی ہوں۔ کہ ایسی حالت میں مَیں کس طرح کہوں۔ کہ میں نے اُسے پھانسہ دیا ہے +

اب مَیں آپ کو مفصّل حال بتلاتی ہوں۔ وہ مجھے بہت سا

روپیہ دینا چاہتا تھا۔ جس روز تم نے آسے دیکھا تھا۔ اُس کے بعد
وہ پرسوں (یعنی جس دن چاند پور کی کوٹھی کے مہاجنوں نے
ہمارے دروازہ پر یہ نوٹس چسپاں کر دیا تھا۔ کہ تین دن کے اندر
مکان خالی کر دیا جائے) دوپہر کے وقت پھر آیا۔ اور میرے
پاؤں پر ایک ہزار روپیہ کے نوٹ رکھ دئے۔ مَیں نے وہ لے
لئے۔ آج رات کا وعدہ ہے۔ وہ گھاٹ پر آکر مجھے ملے گا۔ اور
میں اُس کے ساتھ بھاگ جاؤں گی۔ یہ ہمارا فیصلہ ہو چکا ہے
اس لئے میں جاتی ہوں۔ آج ضرور چلی جاؤں گی۔ لیکن اُس کے
پاس نہیں بلکہ اور کسی کے پاس چلی جاؤں گی۔ مجھے معلوم نہیں
کہ وہ شخص (جس کے پاس میں جاؤں گی) اِس دُنیا والوں کی
نسبت رحم دل ہے۔ کچھ بھی کیوں نہ ہو۔ مَیں اُس کے ہاتھوں
سزا پانا منظور کر دوں گی۔ مگر دُنیا والوں کے ہاتھوں نہیں۔ آج
اگر بدمعاش نریندر مجھے اس طرح آزمائش میں نہ ڈالتا۔ اگر اس
طرح درِ دوزخ تک گھسیٹ کر نہ لے جاتا۔ جس وقت دُنیا کی لگاتار
آنے والی مصائب وتکالیف سے میں اپنی سُدھ بُدھ کھو بیٹھی تھی
اُس وقت اگر وہ مجھے ایسا موقعہ نہ دیتا۔ تو کیا آپ سمجھتے ہیں۔ کہ مَیں
مرنے کے لئے تیار ہوسکتی تھی؟ کیا مجھے مرنے کی ہمت ہوسکتی تھی؟
نہیں! ہرگز نہیں!! مگر کیا کرتی؟ کل میرے بھائی۔ بہن اور ماں
بے گھر بار کے راہ کے بھکاری بن جاتے۔ لوگوں کے طعن تشنیع

سُننے یا فاقہ کشی کی نوبت آتی۔ بھلا یہ باتیں میں کس طرح دیکھتی؟ اُن کے لئے میرے دل میں جو محبت ہے۔ مَیں اسے کس طرح بھول جاتی؟ اُن کے ساتھ جو میرا نازک رشتہ ہے اُسے کس طرح توڑتی؟ ایسی حالت میں میرے لئے کس طرح ممکن تھا۔ کہ اُس کی ترغیب سے بچ جاتی؟ یہ خیال مجھے خودکشی کرنے سے کس طرح روک سکتا ہے کہ ایسا کرنے سے میری آتما دیر تک تکلیف اُٹھاتی رہے گی؟ دُکھ اور تکلیفیں تو میرے جنم کے ساتھی ہیں۔ کیا وہ تکلیف اُن سب تکلیفوں سے بھی زیادہ ہوگی۔ جو میں یہاں سہتی رہی ہوں؟ لوگ میری نِندا اچرچا کریں گے۔ انہیں ایسا کرنے دو۔ میرا اس سے کیا بنتا بگڑتا ہے۔ کم از کم میری ماں۔ بہن اور بھائی کی تکلیف تو رفع ہو جائے گی۔ اُن کی زندگی کے کچھ دن تو آرام میں گزر جائیں گے بعد ازاں ممکن ہے۔ پرمیشور کا فضل اُن کے شاملِ حال ہو جائے یہ میں نے خوب سمجھ لیا ہے۔ کہ میں پرماتما کو راضی نہیں کر سکتی۔ اِس لئے بے فکر ہو کر دُنیا سے رخصت ہوتی ہے۔ بھولی بھالی ساوتری کو مَیں نے سمجھا دیا ہے۔ کہ یہ روپیہ مجھے کہیں پڑا ہوا ملا تھا اِس لئے اِسے لینے میں کوئی عیب یا نقصان نہیں ہے۔ جو کچھ میں کہتی ہوں۔ وہ اُسے حرف حرف سچ مانتی ہے۔ اِس لئے اُسے یقین آگیا ہے اور سر پر آئی ہوئی مصیبت سے چھٹکارا پانے کی امید سے اُس کے چہرہ پر مُسکراہٹ چھاگئی ہے + بڑی مدت سے میں

نے اُسے اتنا خوش نہیں دیکھا + اُس غریب کو کیا معلوم ہے۔ کہ یہ روپیہ اُس کی بہن کے کلیجے کا خون ہے؟ پرماتما کریں اُسے میرے مرنے کا رنج نہ ہو!

" آپ کہیں گے۔ کہ اِس یکایک آئی ہوئی مصیبت کی خبر مجھے کیوں نہ دی گئی؟ آپ یہ بات کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ آپ بڑے ہمدرد اور خدا ترس آدمی ہیں۔ آپ نے کئی دفعہ ہم پر عنایت کی ہے۔ اور کئی دفعہ ہمیں احسان مند بنانے کا موقعہ بھی تلاش کیا ہے۔ لیکن بس وہی کافی تھا۔ مَیں زیادہ نہیں چاہتی۔ اپنے سر پر قرضے کا بوجھ زیادہ نہیں کرنا چاہتی۔ مَیں بہت کچھ لکھنا چاہتی تھی اور لکھا بھی بہت ہے۔ مگر ابھی کئی باتوں کا ذکر کرنا باقی ہے۔ وہ لکھ کر یہ خط ختم کرونگی آپ کو یاد ہوگا۔ کہ ایک دفعہ آپ روپیہ دے کر ہم پر مہربانی کرنے آئے تھے۔ مگر مَیں نے وہ روپیہ واپس کر دیا تھا۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ اس وقت ہمیں دراصل ضرورت نہ تھی؟ نہیں۔ یہ بات نہیں ہے سوال تو یہ ہے۔ کہ آپ ہمارے کون تھے۔ جو ہم آپ کی مدد قبول کر کے آپ کے زیرِ احسان ہوتے؟ آپ کو وہ واقعہ یاد ہی ہوگا۔ اگر آپ چاہتے تو اُس روز مجھے سب کچھ دے سکتے تھے۔ مگر آپ نے ایسا نہیں کیا۔ آپ نے ہماری تنگدستی دیکھ کر رحم کھایا۔ اور ہماری مدد کرنی چاہی۔ بھلا آپ کی امداد کو ہم ایسی حالت میں کس طرح منظور کرتے؟ میں آج بڑے فخر سے کہتی ہوں۔ میں اس پر بجا

ناز کر سکتی ہوں۔ کہ یہی پہلا اور آخری موقعہ ہے۔ جب میں نے یہ بات اپنی زبان سے کہی ہے۔ آپ مجھے اپنی زوجیت میں قبول کر سکتے تھے۔ مجھے یہ شرف بخش سکتے تھے۔ میں اس کے لئے بالکل ہی ناقابل نہ تھی۔ مگر آپ نے مجھے قبول نہیں کیا۔ اگر اور کسی سے شادی کر لیتے تو میں سمجھ لیتی۔ کہ آپ کے دل میں محبت کی کمی نہیں ہے آپ کو کوئی قابل لڑکی نہیں ملی۔ لیکن وہ بات نہیں ہے۔ میرا خیال ہے کہ آپ عورتوں سے نفرت کرتے ہیں۔ اس لئے میں آج مرتے وقت آپ کو بد دعا دیتی ہوں۔ کہ ایک روز آئے گا۔ جب آپ عورت سے جسے آپ آج ذلیل۔ مذموم اور قابلِ نفرت سمجھتے ہیں دل سے محبت کریں گے۔ آپ نہیں جانتے۔ کہ عورت کے دل میں ایک بحرِ بے کراں موجزن ہے۔ مگر کسی روز آپ یہ بات سمجھ سکیں گے۔ آپ کو اب تک معلوم نہیں۔ کہ دنیا میں زندگی کا سارا لطف محبت کی بدولت ہی ہے۔ خیر! اب میں یہ خط ختم کرتی ہوں۔ اور اس جنم کے لئے بھی رخصت کی اجازت چاہتی ہوں۔ شاید آپ مجھ سے بہت خفا ہو رہے ہوں گے۔ اور سمجھتے ہوں گے۔ کہ میں بڑی بکی ہوں +

یاد رکھئے عورتیں جہاں تک برداشت کر سکتی ہیں۔ اُس حد تک برداشت کیا۔ کبھی پیشانی پر بل نہیں آیا۔ مگر میری تکالیف کا دُور دُور تک کنارہ نظر نہیں آتا۔ اس لئے اب اس زندگی کی آہوتی

ڈالتی ہوں۔ موت کے سوا اور چارہ ہی کیا ہے؟ بدقسمتی سے مجھے ایسی ذلیل کارروائی کے لئے اپنے منہ سے اپنی رضامندی کا اظہار کرنا پڑا ہے۔ جس بات کو سنتے ہی شریف گھروں کی عورتیں کانوں میں انگلیاں ڈال لیتی ہیں۔ میں اسے چپ چاپ کھڑی سنتی رہی اور آخر کار مجھے یہ چال چلنی پڑی + سب کچھ کیا۔ اب اور کیا کہوں؟ اس رضامندی کے اظہار کی نسبت خودکشی کا ہولناک منظر زیادہ خوشگوار اور سہاؤنا معلوم ہوتا ہے۔ سب لوگ میری نندا چرچا کریں گے۔ وہ کیا کریں۔ کچھ ہرج نہیں۔ لیکن آپ مت کرنا۔ ایک مرتبہ دل میں خیال کر لینا۔ کہ اگر آپ اپنے قدموں میں مجھے ذرا سی جگہ دے دیتے۔ اپنی لونڈی بنا لیتے۔ تو آج یہ نوبت نہ آتی + ایمان فروشی اور سرفروشی کر کے مجھے آج اپنی بہن۔ بھائی اور ماں کی جان نہ بچانی پڑتی! مت سمجھنا کہ ایک شخص کی منکوحہ بیوی نبنے اور بدھوا ہو جانے کے بعد میں کسی غیر شخص کا خیال تک بھی کبھی اپنے دل میں لائی ہوں۔ نہیں۔ ہرگز نہیں! میں ہندو کی لڑکی ہوں۔ خواہ کتنی ہی تکلیف کیوں نہ ہو۔ مگر ہندو عورتیں بہت ہی جلدی اپنی زندگی کو اپنے حالات کے مطابق بنا لیتی ہیں آپ کی موسی کی تجویز سے جو شمع امید میرے دل میں روشن ہو گئی میں نے اسے جلدی ہی بجھا دیا تھا۔ اگر ممکن ہوتا تو میں بھی کملا کی طرح (کیا آپ کو وہ بات یاد ہے؟) سکھ سہاگ میں اس کی مانند

سب کچھ بھول جاتی - مگر پرماتما نے میری قسمت میں یہ نہیں لکھا تھا۔
میرے دل کے ٹوٹے ٹوٹے شیشہ پر غریبی کی حالت میں بھی آپ کی
رحم سے بھری ہوئی تصویر اُترآتی تھی - مگر میں کوشش کر کے اُسے اندھیرے
میں ہی چھپا رکھتی تھی - میں نے اُسے نکال کر اور اپنے روبرو رکھ کر
کبھی نہیں دیکھا - دیکھنے کا موقعہ ہی کہاں تھا؟ مگر آج یہ موقع مل
گیا ہے - آج اور کوئی کام نہیں ہے - اب میں آرام کروں گی -
اِسی لئے معلوم ہوتا ہے - کہ آپ میرے سامنے آموجود ہوئے
ہیں +

میں نے دل میں سوچا تھا - کہ آپ کو بہت کچھ سخت سُست
لکھوں گی - اپنی دلی ناراضگی کا اظہار کروں گی - مگر معلوم نہیں
آج وہ سارے خیالات اور جذبات میرے دل سے کیوں خود
بخود کافور ہوتے جا رہے ہیں - دُنیا میں کسی پر میرا کوئی دعویٰ
نہیں - کسی پر میری ناراضگی یا غصہ نہیں - مگر میں نہیں سمجھ سکتی -
کہ آپ کی طرف سے میرے دل میں اتنا غرور کیوں پیدا ہو گیا تھا
لیکن آج میرے دل میں کسی قسم کا غرور نہیں رہا - مجھے خیال آتا
ہے - کہ میں نے واقعی یہ بے انصافی کی ہے - جو آپ کی مدد قبول
نہیں کی + کیا آپ سے میرا ناراض ہونا مناسب تھا؟ پر جو ہو چکا
سو ہو چکا - اب اس کا ذکر ہی کیا - اس وقت صرف یہی درخواست
ہے - کہ میری ماں - بہن اور کالی پر رحم اور عنایت کی نظر رکھنا۔

تاکہ اُنہیں کسی مُصیبت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ اُن پر کوئی آفت نہ ٹوٹے + اگر ممکن ہو تو ہری کو بھی نیک راہ پر لانے کی کوشش کرنا معلوم نہیں میرے دل میں بار بار یہ خیال کیوں آرہا ہے۔ کہ میرے اس جہان فانی سے رخصت ہوتے ہی اُن کی حالت سُدھر جائے گی۔ اور اُن کے دُکھ درد سب دور ہو جائیں گے + آپ میرے متعلق بالکل رنج نہ کیجئے گا۔ پرماتما سے پرارتھنا ہے۔ کہ آپ خوب عیش و آرام سے اپنی زندگی بسر کر سکیں۔ اگر ممکن ہو تو کوئی اچھا قابل بر ڈھونڈ کر ساوتری کی شادی کر دینا۔ اچھا۔ لو اب میں چلی پرنام۔ ستی" +

تیرھواں باب

خط ختم ہو گیا۔ مگر بشو لیشور پتھر کا بُت بنا گُم سُم کھڑا ہے۔ اُسے کسی بات کا ہوش نہیں۔ سوچنے سمجھنے کی تمام طاقت جاتی رہی۔ جتنی دیر تک خط ختم نہ ہوا تھا۔ اُس وقت تک وہ اناڑی تیرنے والے کی طرح پانی میں کبھی اوپر اُٹھتا تھا اور کبھی نیچے جاتا تھا۔ جوں ہی خط ختم ہوا۔ بشو لیشور گویا ایک دم گہرے پانی میں اُتر گیا۔ ہاتھ پاؤں میں ہلنے کی طاقت نہ رہی + بشو لیشور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر

اِدھر اُدھر دیکھنے کی کوشش کرتا تھا۔ مگر کچھ نظر نہ آتا تھا۔ دل کی بھی عجیب حالت ہو رہی تھی ؛

اچانک کمرہ کے باہر اَن پورنا کی آواز سنائی دی۔ وہ بڑی دردناک آواز سے پکار رہی تھی :۔ "بشو بیشور! بشو بیشور!"

بشو بیشور نے آوازیں سنیں۔ مگر اُس میں جواب دینے کی طاقت ہی کہاں تھی ؟

جواب نہ پاکر اَن پورنا کمرہ کے اندر آئی۔ اور بولی :۔ "بشو بیشور! تو اندر رہی ہے۔ تُو نے گاؤں کا حال بھی سُنا؟"

"ہاں۔ سُنا ہے"؛

"پھر بھی تو کھڑا ہے؟ جا جلدی دوڑ۔ اگر اب بھی کوئی تدبیر ہوسکے تو کر"؛

"تدبیر کیسی"؟

"تو ابھی کہتا تھا کہ سُنا ہے۔ کیا سُنا ہے؟ رام شنکر کے مکان میں مہاجن نے دخل کر لیا ہے۔ تین دن ہوئے نوٹس دیا گیا تھا۔ بدقسمتی سے میں گھر پر موجود نہ تھی۔ ایک گاؤں میں رہتے ہوئے بھی اُن کا گھر اتنی دُور ہے۔ کہ میں کل شام یہاں واپس آپہنچی۔ اور پھر بھی مجھے کوئی خبر نہ ملی + رام دھن کی ماں ابھی دیکھ کر آئی ہے۔ کہ مہاجن اور اُس کے پیادوں نے آکر گھر کا محاصرہ کر لیا ہے۔ ابھی ہاتھ پکڑ کر اُنہیں گھر سے باہر کر دیں گے۔ بے چارے غریب در در ٹھوکریں

کھا۔ تے پھریں گے! جا۔ جلدی جا۔ مَیں بھی آئی۔ جاکر ذرا انہیں روک تو سہی"۔

بشو لیشور نے دیکھا۔ کہ موسی کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ رہی ہے۔ سوچنے لگا۔ کہ اگر اب بھی پہنچ جاؤں تو ممکن ہے۔ کوئی تدبیر کارگر ہو سکے۔ ممکن ہے۔ ستی کی جان بچائی جا سکے۔ بشو لیشور فوراً سر پر پاؤں رکھ کر ہوا ہو گیا۔

اُس نے دیکھا۔ کہ بھٹا چاریہ جی کے دروازے پر پڑوسیوں کی بھیڑ لگی ہوئی ہے۔ مہاجن اور اُس کے پیادے گھر کے اندر داخل ہونے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اندر سے رونے چلّانے کی آواز آ رہی ہے۔ کچھ پڑوسیوں کو خوشی کا توٹھکانا نہیں رہا۔ وہ لوگ کہہ رہے ہیں "جنہیں اتنا غرور رہو اُن کی یہی حالت ہونی چاہئے بھائی! ہم اڑوس پڑوس میں رہتے تھے۔ کبھی ہمارے پاس آکر کسی بات کا ذکر تک نہ کیا! کیا کچھ کہنا مُناسب نہ تھا؟ غریب کو اتنا گھمنڈ!" بشو لیشور کو دیکھ کر ایک شخص کہنے لگا: "کیوں بابوجی! اب ہمارے بس میں ہی کیا ہے؟ یہ شریف آدمی بھی اپنا حق کس طرح چھوڑیں گے؟ ہمیں ان کی باتوں میں دخل نہ دینا چاہئے۔ آؤ۔ چلو۔ باہر چلیں"۔ بشو لیشور نے اس بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ اُس کے کانوں میں ایک اور ہی قسم کے رونے کی آواز گونج رہی تھی وہ جلدی جلدی قدم بڑھاتا گھر کے دروازہ کی طرف جا رہا تھا۔

مہاجن اُسے آتا دیکھ کر بڑے ادب سے رستہ چھوڑ کر ایک طرف کھڑا ہوگیا۔ پیادے بھی سڑک پر سے ہٹ گئے +

جس طرف سے رونے کی آواز آرہی تھی بشوشیور اُسی طرف لپکا۔ اُس نے وہاں پہنچ کر دیکھا۔ کہ جیٹھانی دروازہ پر بیٹھی زور زور سے چلا رہی ہے۔ ساوتری اور کالی فرش پر کمرے کے اندر پڑے سسک رہے ہیں۔ گنگا نے کسی کو پکڑ رکھا ہے۔ اور چپ چاپ تلملا رہی ہے۔ بشوشیور جا کر اُس کے پہلو میں کھڑا ہوگیا۔ اور بڑی دردناک آواز سے پکار اُٹھا:۔ "ستی"! ستی کا نام سُنتے ہی سب اُس کی طرف دیکھنے لگے۔ کالی چلانے لگا:۔

"میری جی جی! میری جی جی!" بشوشیور نے رُکے ہوئے گلے سے پوچھا:۔ "کیا ہو گیا؟"

"تم نہیں جانتے بھائی؟ جی جی بالکل نہیں بولتی۔ تائی کہتی ہے کہ وہ مر گئی" +

بشوشیور وہیں گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھ گیا۔ اور گنگا کو زبردستی نعش سے الگ کرنے لگا۔ وہ زور سے چلا اُٹھی۔ اور گڑگڑا کر کہنے لگی:۔ "کون ہو تم؟ او بے رحم! ہٹ جا۔ تھوڑی دیر ٹھہر جا۔ پھر میں خود ہی چھوڑ دوں گی۔ ابھی مجھے اپنی ستی کو کلیجے سے لگا رکھنے دے" +

"ماں! مَیں ہوں بشوشیور۔ مجھے ذرا دیکھنے دو۔ اگر اب بھی

اس کی جان بچائی جا سکے تو ......" گنگا نے آنکھیں پھاڑ کر دیکھا۔ "کون ہے بیٹا؟ بشو لیشور! کیا اب میری ستی کو اپنی شرن میں لینے آئے ہو؟ کیا آج میری ستی کی شادی ہو گی؟ کیا میں نے ستی کی شادی بوڑھے کے ساتھ نہیں کی تھی؟ کیا ستی زہر کھا کر نہیں مری؟ کیا میں خواب دیکھ رہی ہوں؟ آ جاؤ۔ بیٹا آ جاؤ"۔

بشویشور نے بڑی مشکل سے گنگا کو ایک طرف ہٹا کر دیکھا کہ ستی اپنے دونوں ہاتھوں سے منہ چھپائے اُلٹی پڑی ہے بشویشور کو اُسے یک لخت چھونے کی ہمت نہ ہوئی۔ بشویشور سوچنے لگا۔ "نہ معلوم ستی اس وقت کس فکر میں غلطاں ہے۔ یوگ کی کون سی سمادھی میں سو رہی ہے۔ اس سمادھی کا توڑنے والا خاک سیاہ ہو جائے گا"۔ بشویشور کو پس و پیش کرتے دیکھ کر ساوتری آگے بڑھی۔ اور دونوں ہاتھوں سے اُس کی کروٹ بدل کر رُکے ہوئے گلے سے بولی:۔ "آپ دیکھ لیجئے۔ اب اس میں جان باقی نہیں۔ اب کوئی امید نہیں۔ جی جی تو بہت دیر ہوئی چل بسی"۔ مگر بشویشور کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ستی شاید ابھی تک زندہ ہے۔ وہ اُس کی ناک کے پاس اُنگلی لے گیا۔ ناک بالکل ٹھنڈی تھی اُس کی بند آنکھوں کو کھولا۔ اُن میں سیاہی چھا رہی تھی۔ منہ کھول کر زبان کی حرارت معلوم کرنی چاہی مگر کہیں کچھ نہ تھا۔ سارا بدن ٹھنڈا پڑا تھا۔ آخر بولا:۔ "تمام بدن بالکل سرد ہو گیا ہے

کہیں کچھ باقی نہیں ہے" +

"بیٹا! اشتوییشور! کیوں خواہ مخواہ کوشش کر رہے ہو؟ میری ستی ہرگز بہانہ کرنے والی نہیں۔ جب تک زندہ رہی۔ تکلیف اٹھاتی رہی۔ مصیبتیں جھیلتی رہی۔ ہرگز کسی کے پاس شکایت نہ کی۔ کسی سے اپنی تکلیف کا ذکر تک نہیں کیا۔ مگر آج وہ برداشت نہ کر سکی اس لئے رخصت ہو گئی + اس وقت بھی اس نے کسی کو یہ کہنے کا موقعہ نہیں دیا کہ چند روز اور ٹھہرو۔ بیٹا۔ اس وقت تھوڑی دیر کے لئے مجھے چھوڑ دو۔ روز پیدائش سے میری لڑکی مصیبت کی آگ میں جل جل کر خاک ہو رہی تھی۔ آج اس کی جلن مٹ گئی۔ اس کا دکھ درد دور ہو گیا۔ وہ ٹھنڈی ہو گئی۔ چھوڑ دو بیٹا! مجھے اپنی ستی کا ٹھنڈا بدن اور ٹھنڈا دل اپنے کلیجے سے لگا لینے دو + میری بیٹی ایسی بے فکر ہو کر آج تک کبھی نہ سوئی تھی۔ آج بالکل بے فکر ہو کر ہمارے دکھوں سے لاپرواہ چین سے سو رہی ہے۔ جی چاہتا ہے کہ میں اسے سامنے بٹھا کر رات دن دیکھا کروں" +

دیکھتے دیکھتے سارا مکان آدمیوں سے کھچا کھچ بھر گیا۔ "یہ کیا ہوا؟ کس طرح واقعہ ہوا؟ کیسے مری؟ کیا کھا کر مری؟ زہر کہاں سے ملا؟ کس طرح ملا؟ اسے کیا تکلیف تھی جو اس نے زہر کھایا؟ کسی نے اسے کچھ کہا سنا تھا؟ کیا بات ہوئی تھی؟ وغیرہ وغیرہ سوالات

کی چاروں طرف سے بوچھاڑ ہونے لگی۔ لوگوں کے شور میں جیٹھانی کو خواہ مخواہ خاموش ہو جانا پڑا + لوگ طرح طرح کی چہ میگوئیاں کرنے لگے۔ تلاش کرنے پر ستی کے سرہانے ایک شیشی اور کاغذ کا ایک ٹکڑا ملا۔ کاغذ میں لکھا تھا :" میں نے اپنی خوشی سے زہر کھا کر خودکشی کی ہے۔ میری ماں۔ بہن۔ بھائی یا میرے خویش و اقارب میں سے کسی کو اس کے متعلق کچھ بھی معلوم نہیں ہے۔ ستی" +

باہر سے مہاجن کے آدمی بولے :" آج ہم چلے جاتے ہیں گھر پر مصیبت آگئی ہے۔ مگر کل فیصلہ کئے بغیر نہ ٹلیں گے"۔ اس بات کا کسی نے کوئی جواب نہ دیا + وشو لیشور نے دیکھا۔ کہ ان پورنا گنگا کی خبر لے رہی ہے۔ اور کبھی کبھی ستی کی چھاتی اور پیشانی بھی چھو چھو کر دیکھ لیتی ہے۔ اس نے بشولیشور کو قریب بلایا اور کچھ نوٹ اس کے ہاتھ میں دے کر کہا :" انہیں کچھ دے دلا کر رخصت کر دو تاکہ وہ کل پھر نہ آئیں" +

بشولیشور مہاجن کو ایک طرف لے گیا۔ اور حساب کر کے رقم ادا کر دی + اول تو مہاجن ویسے ہی بشولیشور کا لحاظ کرتا تھا۔ دوسرے اسے خرچ ورچ ملا کر سات سو روپیہ سے بھی زیادہ مل گئے۔ اس لئے رہن نامہ پر رسید لکھ دی۔ اور کاغذ بشولیشور کے سپرد کر کے چل دیا + بشولیشور نے وہ کاغذ اپنے پاس رکھ لیا + اسے گھر کے اندر

آنا دیکھ کر لوگ چاروں طرف سے سوال پر سوال کرنے لگے + بشوبشور نے جواب دیا:" مہاجن شریف آدمی ہے۔ اِس لئے کہنے سُننے سے اور چند روز کے لئے ٹھیر گیا ہے" + لوگوں کو یہ جواب سُن کر ایک قسم کی مایوسی ہوئی۔ کچھ آدمی بولے :" اب یہاں کیا کرنا چاہیئے داروغہ کو اطلاع دئے بغیر کس طرح گزارہ ہوگا؟ ہم نے رپورٹ بھیج دی ہے۔ داروغہ صاحب آتے ہی ہوں گے۔ تار اپور کے ڈاکٹر صاحب بھی آیا ہی چاہتے ہیں"۔ بشوبشور چپ چاپ بیٹھا سب کچھ سُنتا رہا +

ڈاکٹر اور تھانیدار اتفاقاً اکٹھے ہی آپہنچے + بشوبشور کو دیکھ کر وہ بڑے ادب سے پیش آئے۔ صاحب سلامت کے بعد اُن کے ساتھ گھر کے اندر گیا۔ اُس وقت بشوبشور کا مُنہ اُترا ہوا تھا ڈاکٹر چپ چاپ نعش کا ملاحظہ کرنے لگا۔ اور تھانیدار دوائی شیشی اور چٹھی کو دیکھنے لگا + بشوبشور کو معلوم ہوا کہ ستی کا شانت اور خوابیدہ چہرہ شرم اور نفرت سے سیاہ ہو رہا ہے۔ خوف اور فکر کے سبب اُس کی فراخ سنجیدہ پیشانی پر نیلی مُہر لگی ہوئی تھی۔ گویا ستی اپنی لاج رکھنے کے لئے پرماتما سے اپنے دل ہی دل میں پرارتھنا کر رہی تھی + بشوبشور یہ منظر نہ دیکھ سکا۔ اور اُس نے اپنا مُنہ دوسری طرف کو پھیر لیا +

اَن پُورنا بشوبشور کے پاس گئی۔ اور اُس کے کان میں آہستہ

آہستہ کئی باتیں کہیں + بشویشور سنتا رہا ۔ اُس نے کوئی جواب نہیں دیا + اِس وقت اُس میں کچھ کہنے سننے کی طاقت باقی نہ تھی اُسی وقت ڈاکٹر نے پکارا :۔

"بشویشور بابو" + بشویشور اُن کے پاس چلا گیا +

"موت کو واقع ہوئے کئی گھنٹے گزر چکے ہیں ۔ معلوم ہوتا ہے کہ بیلاڈونا میں ملی ہوئی مالش کی دوا کھانے سے موت واقع ہوئی ہے ۔ خودکشی ہی کی گئی ہے" +

تھانیدار بولا :۔ "یہ دوا کس کے دواخانے سے آئی ہے ؟ لیبل پر ہرے بابو کا نام چھپا ہوا ہے ۔ مگر یہ آئی کس طرح ؟"

جیٹھانی نے روتے روتے جواب دیا :۔ "بہو گنگا بیمار تھی ۔ اُس کے درد ہوا کرتا تھا ۔ مالش کرنے کے لئے یہ دوا منگوائی گئی تھی ۔ درد جاتا رہا اس لئے دوا پڑی رہی ۔ ساری خرچ نہیں ہوئی ۔ بہت تھوڑی استعمال کی گئی تھی" +

بشویشور سمجھ گیا ۔ اور ڈاکٹر اور تھانیدار کے مُنہ کی طرف دیکھنے لگا + ڈاکٹر نے بشویشور کے دل کا حال معلوم کرنے کے لئے پوچھا :۔

"ہمارا فرض تو یہ ہے کہ لاش پوسٹ مارٹم کے لئے ہسپتال میں پہنچائی جائے ۔ آپ کیا کہتے ہیں ؟"

بشویشور کانپ اُٹھا اور بڑی حلیمی سے بولا :۔ "اگر کوئی اور تدبیر ہو سکے تو فرمائیے ۔ حتی الوسع میں آپ کو خوش کرنے کی کوشش کرونگا

آپ ہی سمجھئے کہ یہ واقعہ میرے گھر کا ہے۔ کیا اس مصیبت میں آپ میری مدد نہیں کریں گے"؟

"مجھے کوئی عذر نہیں ہے۔ میں قدرتی موت کی رپورٹ لکھنے کے لئے تیار ہوں۔ آپ داروغہ صاحب کو راضی کر لیجئے"۔ داروغہ صاحب کو قابو میں لانے میں ایک منٹ بھی نہ لگا۔ لکھ دیا گیا کہ "ہیضہ سے موت واقع ہوئی ہے"۔ ڈاکٹر اور تھانیدار واپس چلے گئے۔ گاؤں کے لوگ مایوس ہو کر طرح طرح کی باتیں کرتے لاچار اپنے اپنے گھر کو روانہ ہوئے۔ اُن میں سے بعض اپنی شرافت دکھانے کی غرض سے بشوشیور کی بڑی تعریف کرنے لگے اور کہنے لگے۔ کہ اس وقت ہمارا ہاتھ تنگ تھا ورنہ ہم خود مدد کرتے اور موقعہ کو ہرگز ہاتھ سے نہ جانے دیتے اگر ہمارے پاس روپیہ ہوتا تو بھلا ہم کب خاموش رہ سکتے تھے۔ داروغہ کو کچھ دے دلا کر فوراً تمام جھگڑا بکھیڑا رفع دفع کر دیتے۔ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوتی"۔ بعض کہتے:۔ "بھائی! یہ سب اُس کی موسی کی بدولت ہے۔ وہ نہایت ہی شریف اور بھلی عورت ہے۔ اگر وہ نہ ہوتی تو مکھی چوس بخیل کے لڑکے سے بھلا کیا ہو سکتا تھا"۔ کوئی کچھ کہتا اور کوئی کچھ کہتا+ وہاں سے سب چل دئے۔ کہ کہیں نعش اُٹھانے کی زحمت خواہ مخواہ سر نہ لینی پڑے+

بشوشیور اپنے تین براہمن ملازموں کو بلا لایا۔ اور اُنہیں صحن میں ٹھیرا کر خود اندر چلا گیا+ وہاں اَن پورنا کے منہ کی طرف دیکھ کر چپ چاپ

ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ ان پورنا بشویشور کا مطلب سمجھ گئی۔ اُس نے بڑی
درد بھری آواز میں گنگا کو مخاطب کر کے کہا:۔ "بہو! اب ستی کو اُس کے
باپ کے پاس بھیج دینا چاہئے۔ ہم ایک دن کے لئے بھی اُس کی تکلیفوں
کو دور نہ کر سکے۔ اس لئے اب وہ اپنے باپ کے پاس جاتی ہے۔
بہو! لڑکی تو روز اول سے دوسروں کا مال ہوتا ہے۔ ستی کو اُس کے
خاوند کی خدمت میں............"

"بہن! یہ بات مت کہو۔ ہرگز مت کہو۔ میری ستی کنواری ہے
میں نے کب اُس کی شادی کی تھی؟ وہ قبر کا مُردہ میری ستی کا دولہا تھا؟
میری کنواری بیٹی اُن کے (اپنے باپ کے) پاس جائے گی۔ بہن!
ستی کی یہ دھوتی کھول دو۔ جو نیلی دھوتی اُسے بچپن میں پہنا کر اسے
باہر پھرانے لے جایا کرتے تھے وہی آج پہنا دو۔ کانچ کی کچھ چوڑیاں
بھی پہنا دو۔ میں اپنی ستی کو بدھوا کے بھیس میں کبھی نہ جانے دوں گی
وہ مجھے کیا کہیں گے؟"

اَن پورنا نے دیکھا کہ اس وقت سمجھانا بجھانا بالکل لا حاصل ہے
وہ ساوتری سے بولی:۔ "بیٹی! آ کر ذرا اماں کو سنبھال"۔ ساوتری یہ
سن کر بے تحاشا دوڑی آئی اور رو رو کر کہنے لگی۔ "بُوا! ایسی باتیں
مت کرو۔ میری جی جی کہاں جائے گی؟ وہ تو کبھی کہیں نہیں گئی۔
پھر آج کیوں جائے گی؟ ہمیں چھوڑ کر وہ کہاں جائے گی؟"

تھوڑی دیر بعد اَن پورنا بولی:۔ "بہو! ہوش کرو۔ کیا کر رہی ہو؟

جو چلی گئی وہ واپس نہیں آسکتی۔ اب اِن بچّوں کی طرف دیکھو"!

یہ سُن کر گنگا اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ اُس نے نقاب سے مُنہ ڈھک لیا۔ پھر ستی کی لاش کو گود میں لے کر ٹکٹکی باندھ کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔ اس کے سر و رخساروں کو چوم کر کہنے لگی:۔ "بیٹی! پیاری ستی! افسوس! تو جا رہی ہے۔ اچھا جا۔ میرے پاس رہ کر تو نے بڑی تکلیف اُٹھائی۔ بڑی مصیبتیں جھیلیں۔ اب جا کر ان کی گود میں ننھی سی ستی بن کر سو جا مگر بیٹی! میری جان۔ سے زیادہ عزیز! ایک دفعہ۔ آخری مرتبہ مجھے ذرا ماں کہہ کر تو پکار لے! افسوس! کل رات تو پڑی پڑی میرے پاؤں دبا رہی تھی۔ اس وقت مجھے کیا معلوم تھا کہ تو مجھے چھوڑ کر جا رہی ہے! اگر میں جانتی تو تجھے اسی وقت کہتی کہ مجھے ماں کہہ کر پکار۔ جا بیٹی۔ جا"

بشویشور نے اُس کے دُبلے پتلے جسم کو اوپر اُٹھا لیا۔ اور تینوں براہمن اُسے چھین کر باہر لے گئے! بشویشور بھی چُپ چاپ اُن کے پیچھے پیچھے چلا گیا! ساوتری دوڑی اور دیوانہ وار اُن کے قدموں پر پچھاڑ کھا کر گری۔ وہ بڑی منت و زاری سے کہنے لگی:۔ "بھائی! بشویشور بھیا! پرماتما کے واسطے میری بہن کو مت لے جاؤ۔ میں تمہارے پاؤں پڑتی ہوں۔ تمہاری منت کرتی ہوں۔ اُنہیں کہہ دو کہ وہ میری بہن کو چھوڑ جائیں۔ کیا تمہارے دل میں ذرا بھی رحم نہیں ہے؟ میری جی جی کو چھوڑ دو۔ چھوڑ دو۔ چھوڑ جاؤ"!

بشویشور مضطرب ہو کر رونے لگا اور بولا:۔ "موسی!"

اَن پُورنا باہر آئی اور ساوتری کو زبردستی کھینچ کر گھر کے اندر لے گئی + بڑا زور لگا کر اُسے گنگا کی گود میں بٹھایا۔ اور بولی :۔ "لو بھوانم! اسے سنبھالو ۔ ورنہ اُس کے ساتھ یہ بھی چلی ۔ دیکھو اس کے مُنہ سے جھاگ نکل رہا ہے ۔ اِسے ذرا سنبھالو ۔ کالی مجھے پنکھا تو دے" +

گنگا نے ساوتری کو چھاتی سے لگا کر کہا :۔ "ساوتری ! بیٹی ساوتری !"

"ماں ! جی جی ! میری جی جی کہاں گئی ؟"

بشویشور کالی کی انگلی پکڑے ارتھی (جنازے) کے ساتھ ساتھ ندی کے کنارے پہنچا + صرف دو ہی براہمن ستی کی ہلکی پھلکی نعش کو آسانی سے ندی تک لے گئے + وہاں چتا تیار کی گئی ۔ ستی کو ندی میں اشنان کرایا گیا ۔ پھر اُسے نئے کپڑے پہنا کر چتا میں رکھ دیا + کالی نے چتا کو آگ دی ۔ بڈھا رام نتو کالی کو چتا سے کچھ دور لے جا کر بجھانے بجھانے لگا + بشویشور ایک درخت کی جڑ میں بیٹھا سب کچھ دیکھ رہا تھا ۔ شعلے نکل نکل کر آسمان تک پہنچ رہے تھے ! آگ دھڑ دھڑ جل رہی تھی !!!

چودھواں باب

اَنّ پُورنا نے گنگا کو اپنے گھر لے چلنے کے لئے بہت اصرار کیا مگر وہ رضامند نہ ہوئی + انہوں نے ہزار کہا پر گنگا نے ایک نہ مانی وہ کہنے لگی :- "بہن! مجھے اِسی گھر میں رہنے دو۔ میں اور جگہ نہیں جانا چاہتی۔ وہ یہیں مرے۔ ستی اسی گھر میں مری۔ میری ستی کی آتما اسی گھر میں بھٹکتی پھرتی ہوگی۔ وہ مجھے ماں، ماں، پُکارتی ہوگی پس مَیں یہ گھر چھوڑ کر کہیں نہ جاؤں گی"۔ لاچار ہو کر اَنّ پُورنا نے کچھ عرصہ کے لئے خود رات کے وقت اُس کے پاس رہنے کا فیصلہ کیا۔ اُس وقت جیٹھانی بھی اپنے ایک بہت دُور کے بھولے ہوئے رشتہ کی بہن کے بیٹے کے گھر جا رہی۔ اس وقت تک یہ رشتہ ٹوٹا ہوا تھا۔ مگر اب نہ معلوم پھر کس طرح جوڑ لیا گیا + جان کے مقابلہ میں عزت یا بے عزتی کی کون پرواہ کرتا ہے۔ جیٹھانی ڈرتی تھی کہ کہیں رات کو ستی کا بھوت اُس کی گردن پر سوار ہو کر اس کا گلا نہ گھونٹ دے + اُسے یقین ہو گیا تھا کہ ستی مر کر بھوت ہو گئی ہے اور صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک اسی گھر میں بھٹکتی پھرتی ہے + اگر خود پرماتما بھی آکر اُسے اس بات کا یقین دلانا چاہتے کہ ستی کی گتی ہو گئی ہے۔ تو بھی وہ ہرگز نہ مانتی +

جٹھانی سے چھپی ہی اچھی رہی - وہ ہمیشہ ان لوگوں کے رنج و راحت میں شریک ہوا کرتی تھی - اِس دفعہ بھی گنگا کو ڈھارس بندھانے کے لئے وہ اُس کے پاس ہی رہنے لگی +

چوتھے دن کالی نے سرادھ کرایا - گنگا کے کہنے کے مطابق بشنو بشور نے ستی کی سوت کے بیٹے کو ستی کی موت کی خبر بھیج دی - اور روپیہ پیسہ بھی ارسال کر دیا + کرم کانڈ کا کام سب کالی سے کرایا گیا - کیونکہ گنگا کو خیال تھا - کہ اگر ایسا نہ کیا گیا تو ستی کی آتما کو شانتی اور اطمینان حاصل نہ ہوگا +

بشنو بشور پاگل سا ہو گیا - جس طرح کسی ہولناک سانحہ یا خلاف توقع مصیبت سے آدمی کا دل بے چین ہو جاتا ہے - وہی حالت بشنو بشور کی ہو گئی + اچانک ایک روز اُسے خیال آیا - کہ ساوتری کے پاس ستی کے خون سے رنگے ہوئے جو نوٹ ہیں - وہ اُس سے لے کر بدمعاش نریندر کو واپس کر دینے چاہئیں - تاکہ وہ باپ کا روپیہ اُن کے گھر میں نہ رہنے پائے + ساوتری کو کیا معلوم ان نوٹوں کی قیمت کیا ہے - وہ نہیں جانتی کہ ستی نے اُنہیں اپنی جان کے بدلے خریدا تھا + ایک روز بشنو بشور سیر کرنے ندی کی طرف گیا تھا - وہاں سے اُس نے شمشان کی طرف بھوچک ہو کر نظر دوڑائی + اُسے معلوم ہوا کہ وہ کبھی نہ بجھنے والی آگ ابھی تک دُنیا کو سُنانے کے لئے آہیں بھر رہی ہے - گویا کہ ستی اب بھی چتا میں "ساں" "ساں" اور "ہُو" "ہُو" کی

گرم آہیں لے رہی ہے +

بشو یشور ڈر گیا ۔ ندی چھوڑ کر گاؤں کا رُخ کیا ۔ اور بہت دیر تک اِدھر اُدھر گاؤں کی گلیوں میں ہی گھومتا رہا +

اُس روز اُس گاؤں کے بابوؤں کی بیٹھک لفنشۂ چمن بنی ہوئی تھی ۔ وہ سنگِ مرمر کے چبوترے پر بیٹھے تھے ۔ اور سرکل بکھش کی دسمی کی چاندنی میں پھولوں کی نہایت خوشگوار بھینی بھینی خوشبو سے مُعطر ہوا کا لطف اُٹھا رہے تھے ۔ ہارمونیم ۔ طبلہ اور دیگر ساز بج رہے تھے ۔ گانے کی محفل بندھی ہوئی تھی + بشو یشور خوب غور سے دیکھنے اور سوچنے لگا ۔ کہ اگر دنیا اس قدر خوبصورتی اور آنند سے بھری ہوئی ہے ۔ تو پھر آدمی اتنا دکھی کیوں ہے ؟ بعض لوگ ایسے خوش نصیب ہیں کہ وہ سُکھ کے ساتوں سمندروں میں غوطے لگاتے ہیں ۔ اور بعض ایسے بدقسمت بھی ہیں جنہیں پینے کے لئے پانی تک نصیب نہیں ہوتا ۔ دُنیا میں ایسی حالت کیوں ہو رہی ہے ؟ آدمی ایک دوسرے کی طرف کیوں نہیں دیکھتے ؟ ایک دوسرے کو مدد کیوں نہیں دیتے ۔ ایک دوسرے کے دُکھ درد میں شریک کیوں نہیں ہوتے ؟ موجودہ حالت میں دُنیا کی خوبصورتی ۔ اِس کے آرام و آسائش ۔ اس کا مال و دولت ۔ اس کا جاہ و حشمت سب ایک شیطان کے قہقہے کی مانند ہیں ۔ اندرونی دُکھ درد کو تکلیف کو دبانے اور چھپا رکھنے ہی کے لئے دُنیا کی یہ ساری مصنوعی خوبصورتی ہے !

لیکن یہ فضول ہے۔ بالکل لاحاصل ہے + بشو لیشور انہیں خیالات میں مستغرق ہوگیا۔ اُسے گانا بجانا اچھا نہ لگا۔ اس لئے وہ واپس چل پڑا بہت دور جہاں باجے کی آواز اُسے پریشان نہ کرسکتی تھی۔ اُس کے سر کو نہ دکھا سکتی تھی۔ وہاں پہنچنے پر بشو لیشور کو ایک اور آواز سُنائی دی۔ کوئی شخص نہایت سریلی مگر دردناک آواز سے گا رہا تھا + بشو لیشور کھڑا ہوگیا اور متوجہ ہو کر غور سے سُننے کی کوشش کرنے لگا۔ گانا صاف سُنائی دے رہا تھا +

نہ پوچھئے کچھ بھی حال میرا کہ دل پہ صدمے اُٹھا رہی ہوں
حرارتِ درد و رنج و غم سے میں تن بدن کو جلا رہی ہوں +

بشو لیشور کا سر چکرا گیا + کون ایسا گانا گا رہا ہے؟ ایسا آنند اور خوشی کا سماں اور ایسا دردناک گیت! کیا گانے والا یہ سمجھتا ہے۔ کہ بے شمار روحیں اُس کے گانے کے ساتھ ہمنوا ہو کر اور رو رو کر دُنیا کو سُنا رہی ہیں کہ:۔

نہیں محبت ہے دُنیا داروں میں اُن میں بُوئے وفا نہیں ہے
کیا جو میں نے وہ آگے آیا اُسی کا پھل آج پا رہی ہوں +

اب تو بشو لیشور سے نہ رہا گیا۔ اُس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے کیا دراصل اس جہان میں محبت نہیں ہے؟ کیا دُنیا والوں کے دل محبت سے خالی ہیں؟ کسی کو کیا معلوم ہے کہ کون سا آدمی اپنی زندگی کس کے قدموں پر نثار کر دیتا ہے؟ ان باتوں کا حساب کون رکھتا ہے؟

ستی کے دل کے متعلق مجھے کیا معلوم تھا؟ وہ مجھے نمسکار کر کے چُپ چاپ
اِس دنیا سے چل بسی۔ لیکن کیا اس کی آتما کی خواہش پُوری ہو گئی؟ کیا
اس کا دلی مقصد بر آیا؟ جب ایک ایسی سوشیلا۔ شانت اور رضا بر ناز مین
فاقہ۔ تکلیف۔ مصیبت اور اہلِ دُنیا کے مذموم سلوک سے تنگ آ کر
اور ایک آدمی کو چپ چاپ اور بغیر کہے سُنے پیار کر کے اپنی جان
قربان کر سکتی ہے تو کیا وہ شخص (جسے وہ محبت کرتی تھی) روئے
بغیر رہ سکتا ہے؟ کیا اُس کے دِل پر سخت چوٹ نہ لگے گی؟ کیا اُس
کی آتما کو تکلیف نہ ہو گی؟ محض ایک کتاب میں ایسی باتیں پڑھنے
سے انسان بے چین اور مضطرب ہو جاتا ہے۔ تو جسے حقیقت کو دیکھ
کر بھی رونا نہ آئے۔ ایسا بے رحم اور سنگ دل کون ہو گا؟ کیا یہی اس
دنیا کا پریم ہے؟ کیا دراصل اس دُنیا میں پریم نہیں ہے؟

یقیں نہ کرنا کسی کی باتوں کا اور کسی کی نہ ماننا تم۔
کیا بھروسہ جو اُن کے اوپر تو موت کے منہ میں جا رہی ہوں +

بشویشور سے نہ رہا گیا۔ وہ مضطرب ہو گیا۔ اپنے جی میں کہنے لگا:۔
"ستی! تو نے خوب کیا جو اس دُنیا کو چھوڑ کر چلی گئی"۔ گانا بند ہو چکا تھا۔
مگر چاروں طرف وہی درد بھری لے سنائی دے رہی تھی + مارے
دُکھ کے کلیجہ ٹکڑے ٹکڑے ہو رہا تھا + بشویشور کو اب وہاں کھڑا رہنا
مشکل ہو گیا۔ اور وہ وہاں سے چل پڑا۔ کچھ دُور جا کر اُسے رام
شنکر کا بے رونق اور اُجڑا ہوا گھر نظر آیا + چاند کی چاندنی میں ایسا

معلوم ہوتا تھا کہ جیسے کوئی بدھوا سفید چادر اوڑھے لیٹی ہوئی ہے + وہ آہستہ آہستہ گھر کے صحن میں داخل ہوا - وہاں پہنچ کر دیکھا - کہ کوئی عورت تلسی کے چبوترے پر چراغ جلا کر گھٹنے ٹیک کر بیٹھی ہے اور ہاتھ باندھے پر ماتما کے دھیان میں مگن ہے + بشوبشور کو خیال آیا شاید یہ ستی ہے - ہو بہو ویسی ہی معلوم ہوتی ہے - وہی روکھے بال - وہی دبلا پتلا جسم - پھٹے پرانے کپڑے - وہی غمگین اور مرجھایا ہوا چہرہ ! ساری باتیں ویسی ہی ہیں + بشوبشور نے چاہا کہ ایک دفعہ ستی کہہ کر زور سے پکارے - مگر لبوں پر مہر خاموشی لگ گئی - زبان بند ہوگئی - وہ چپ چاپ کھڑا ہوگیا + جو عورت عبادت میں مشغول تھی - وہ آہستہ آہستہ اٹھی - سامنے بشوبشور کھڑا تھا - دیکھ کر حیران ہوگئی اور بولی :- "کون ہے" ؟ اب بشوبشور نے پہچانا کہ یہ ستی نہیں بلکہ ساوتری ہے +

"کون ہے ؟ بشو بھیا ! آپ اس وقت کس طرح تشریف لائے ؟ ماں کو بلاؤں" ؟ ساوتری کی بات سن کر بشوبشور آبدیدہ ہوگیا - بولا :- "نہیں - ماں کو بلانے کی ضرورت نہیں - تم سے ہی کچھ کام ہے" -

ساوتری اسی طرح کھڑی رہی +

بشوبشور بولا :- "تمہاری بہن نے تمہیں کچھ دیا تھا" ؟

"ہاں ! کچھ نوٹ ہیں - اسے کہیں پڑے ملے تھے" +

"سب موجود ہیں یا اس میں سے کوئی خرچ بھی ہوا ہے" ؟

"نہیں۔ اُسی طرح رکھے ہیں" +

"وہ لاکر مجھے دے دو" +

ساوتری اندر گئی اور نوٹوں کا پیکٹ لے آئی + وہ نوٹ اُس نے بشویشور کے ہاتھ میں دے دئے + جب اُس نے وہ نوٹ لئے تو اُس کا دل کانپنے لگا۔ مگر اُس نے اپنے تئیں سنبھالا۔ کہ ساوتری کے دل میں خواہ مخواہ کوئی شبہ نہ پیدا ہو جائے + نوٹ لے کر پوچھنے لگا:۔ "تمہاری ماں کو ان نوٹوں کے بارے میں کچھ معلوم ہے یا نہیں"؟

"نہیں۔ میں سوچتی تھی کہ اُسے اِس راز سے آگاہ کردوں" +

"خوب کیا جو تم نے اب تک ماں کو نہیں بتلایا۔ اب کچھ مت کہنا۔ مَیں یہ نوٹ اُن کے اصلی مالک کو دے آؤں گا" +

ساوتری نے اپنی رضامندی ظاہر کرنے کے لئے سر ہلا دیا + بشویشور نے موسی سے سُن رکھا تھا کہ ساوتری بہت غمگین اور کبیدہ خاطر رہتی ہے۔ نہ اُٹھتی ہے نہ چلتی ہے۔ نہ کچھ کھاتی ہے اور نہ کسی سے بولتی ہے۔ گنگا نے ہر چند سمجھانے کی کوشش کی۔ لاکھ سر پٹکا مگر ساوتری کی طبیعت ٹھیک نہ ہوئی + اِس لئے بشویشور کے دل میں آیا کہ موقع ہے۔ میں بھی ساوتری سے دو چار باتیں کر لوں۔ ممکن ہے اس کے دل کو تسلّی اور ڈھارس دے سکوں۔ یہ سوچ کر وہ بولا:۔ "ساوتری! تم وہاں اکیلی بیٹھی کیا کر رہی تھیں"؟

"تلسی میں چراغ رکھنے گئی تھی" +

میں نے دیکھا تھا کہ تم دونوں ہاتھ جوڑ کر کچھ کہ رہی تھیں" +
ساوتری نے سر جھکا لیا - اور بڑی میٹھی آواز سے بولی :-
"کہتے ہیں کہ جو شخص خودکشی کرتا ہے وہ نرک میں جاتا ہے - اُس کی گتی اچھی نہیں ہوتی - اُسے بہشت نصیب نہیں ہوتی - اس لئے پرماتما کے نام پر........." کہتے کہتے اُس کا گلا بھر آیا +
بشولیشور کی آنکھوں میں آنسو اُتر آئے - کچھ دیر کے بعد اپنے تئیں بہ مشکل ضبط کر کے بولا :- "ساوتری! تم کیا کہہ رہی ہو؟ تمہاری بہن سورگ میں گئی ہے - وہ بڑی پُنیہ آتما تھی - کیا تمہیں اس بات کا یقین آسکتا ہے کہ اُس جیسی دیوی سورگ سے محروم رہے ؟"
"تو آپ کا مطلب ہے کہ جی جی - پیاری بہن سورگ سدھاری ہے - وہاں وہ اچھی طرح ہوگی ؟"
"ہاں" +
ساوتری نے گھٹنے ٹیک کر بشولیشور کو پرنام کیا - پھر اُٹھی اور کہنے لگی :- "اب میں نہیں روؤں گی - اگر وہ (خواہ وہ کہیں بھی کیوں نہ ہو) آرام سے ہے تو مجھے اِس بات کا زیادہ رنج نہ ہوگا کہ وہ مجھے چھوڑ کر چلی گئی یا ہمیں بھول گئی" +
ساوتری کی آنکھوں سے آنسو موتیوں کی طرح نکلنے لگے +
بشولیشور کے دل پر بڑی چوٹ لگی - اُسے ہمت نہ پڑی - کہ ساوتری کو اِس حالت میں اکیلا چھوڑ کر چلا جائے - اُس نے سوچا کہ شاید اب

یہ پڑی پڑی رویا کرے گی۔ پھر بولا:۔ "ماں کہاں ہے۔ کالی کہاں چلا گیا؟"

"ماں کالی کو سُلا رہی ہے۔ وہ دن رات 'جی جی' 'جی جی' پکارتا اور روتا رہتا ہے۔ لاکھ سمجھاؤ ایک نہیں مانتا"۔

"ساوتری! تم بھی تو بہت روتی رہتی ہو۔ رونے سے کیا بہن پھر واپس آجائے گی؟ رو رو کر ماں کو خواہ مخواہ دُکھ کیوں دیتی ہو"؟

ساوتری کے صبر کا بندھ ٹوٹ گیا۔ وہ بہت زور سے رو پڑی "ہائے ہائے! میں جی جی کے بغیر کبھی اکیلی نہ رہی تھی"!

"لوگ عمر بھر کے ساتھیوں کو ایک منٹ میں بھول جاتے ہیں دُنیا کا یہی قاعدہ ہے"۔

"مگر اتنی جلدی کس طرح بھول جاؤں؟ آج جی جی کی سہیلی کملا آئی تھی۔ جی جی کی صحبت چھوٹے مدت ہو گئی ہے۔ لیکن وہ اب تک اُسے نہیں بھولی۔ اُسے یاد کر کے پہروں روتی رہتی ہے۔ اُس کا بدن سُوکھ کر کانٹا ہو گیا ہے۔ وہ بھی اب چند روز کی مہمان ہے دیر تک زندہ نہ رہے گی۔ افسوس! وہ غیر ہو کر بھی جی جی کو نہیں بُھول سکتی۔ پھر بھلا میں کس طرح اُسے یاد سے مٹا دوں"؟

"کون آئی تھی؟ نریندر ناتھ زمیندار کی بیوی؟ کہتے ہیں کہ بیچاری بڑی تکلیف میں ہے"۔

"ہاں میں نے بھی کئی دفعہ سُنا کہ کملا بہن کو بڑا دُکھ ہے۔ اُس کا شوہر اچھا آدمی نہیں۔ وہ اُسے بہت تکلیف دیتا رہتا ہے۔ کملا کا نام لیتے ہی جی جی کی آنکھیں ڈبڈبا آتی تھیں۔ اُسے کملا سے بڑی محبت تھی" +

ساوتری کی بات سُن کر بشو یشور کو ایک پرانا واقعہ یاد آ گیا۔ اسی کملا کی شادی کے لئے سنی ایک دن قاصد بن کر بشو یشور سے ملی تھی اور اُس سے اُس کی سفارش کی تھی + بشو یشور کا دل بے چین ہو گیا عین اُسی وقت گنگا نے دروازہ پر آ کر پوچھا:۔ "ساوتری! تو کس سے باتیں کر رہی ہے"؟

ساوتری بولی:۔ "وِشو بھیا سے" +

"بشو یشور! بیٹا اندر آؤ" +

اندر جا کر اُس نے چُپ چاپ پرنام کیا + گنگا کے سامنے اُس کی تمام طاقت سلب ہو جاتی تھی۔ ہلنا جُلنا تک محال ہو جاتا تھا۔ اِس دفعہ بھی ایسا ہی ہوا۔ وہ زیادہ دیر تک نہ ٹھیر سکا۔ اور فوراً اجازت لے کر اپنے گھر کو چلا گیا +

اگلے دن وہ علے الصباح چاندپور کو چل دیا۔ تاکہ نریندر کے سیر کو جانے سے پہلے وہاں جا پہنچے +

تھوڑی دیر کے بعد زمیندار بابوؤں کی حویلی پر پہنچا۔ پھاٹک پہ جا کر دیکھا کہ بائیں باغ کے وسط میں نریندر ایک بنچ پر بیٹھا صبح کی خوشگوار اور پھولوں کی مہک سے معطر ہوا کا لطف اُٹھا رہا ہے۔ مگر

اس کا چہرہ بہت غمگین نظر آتا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ شاید کسی عارضے میں مبتلا ہے۔ بشولیشور اُس کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔ نریندر نے متحیر ہو کر دریافت کیا: "آپ کون ہیں؟"

"میرا نام بشولیشور میترے ہے۔ میں موضع مجوُت پور کا رہنے والا ہوں۔"

"مجھے خیال آتا ہے۔ شاید میں نے پہلے آپ کو کہیں دیکھا ہے خیر! تشریف رکھئے۔"

"ضرور دیکھا ہوگا۔ اِس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ آپ ہوا خوری کے لئے ہر روز اُس طرف جایا کرتے ہیں۔ میں ایک معمولی آدمی ہوں۔ آپ نے کبھی کہیں دیکھ لیا ہوگا۔"

نریندر نے ذرا کچھ مضمحل ہو کر پوچھا: "کس طرح تشریف لائے؟"

"میں آپ سے تنہائی میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔"

"یہاں بھی بالکل تنہائی ہے۔ فرمائیے۔ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟"

بشولیشور نے بغیر کسی تمہید یا دیباچہ کے نوٹوں کا پیکٹ نریندر کے ہاتھ میں دے دیا اور بولا: "یہ آپ کے نوٹ ہیں۔ ذرا گن لیجئے ایک ہزار روپیہ کے ہیں۔"

نریندر کا خون سوکھ گیا۔ ہل نہ سکا۔ چُپ چاپ بشولیشور کے چہرہ کی طرف تکنے لگا۔ بشولیشور نے اپنا مُنہ دوسری طرف کو پھیر لیا۔ تھوڑی دیر کے بعد نریندر بولا: "ناراض نہ ہوں تو ایک بات

پوچھوں"؟

"پوچھو"

"یہ نوٹ آپ کو کس نے دئے؟"

"جسے آپ نے دئے تھے۔ وہ خود دے گئی ہے۔ وہ میری عزیز تھی"

"اس نے آپ کو دئے ہیں؟ کہتے ہیں کہ وہ مر گئی ہے"

"نہیں۔ اس نے خودکشی کی ہے۔ موت کی خبر غلط ہے"۔

"بے شک! اسی قسم کی افواہ میں نے بھی سُنی ہے۔ آپ کو اس کی خودکشی کا سبب معلوم ہے؟"

"معلوم ہے۔ جو نوٹ اِس وقت آپ کے ہاتھ میں ہیں۔ وہی اس کی موت کا باعث ہوئے ہیں۔ یہ نوٹ اُسے مجبور رہو کر قبول کرنے پڑے تھے۔ وہ لاچار ہو گئی تھی۔ اس لئے اپنی جان قربان کر کے اس نے اپنے تئیں آپ کے ہاتھوں میں پڑنے سے بچا لیا"

"اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اِس معاملہ کے متعلق بہت سی باتیں معلوم ہیں۔ آپ سے کوئی بات چھپانے کی کوشش کرنا فضول ہے۔ مگر جناب! آپ مجھ پر خواہ مخواہ جھوٹا الزام لگا رہے ہیں اگر وہ نوٹ لینے کے لئے تیار نہ ہوتی تو میں زبردستی کس طرح دے سکتا تھا؟ میں نے جبر نہیں کیا۔ اپنی مرضی سے۔ اپنی خواہش سے ہی۔"

"خاموش رہو۔ زیادہ بولنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم پاپی ہو

بدمعاش ہو۔ اس قسم کی باتیں کرتے وقت تمہاری زبان کیوں
نہیں جل جاتی؟ ذرا بتاؤ تو سہی کہ اسے بار بار کون ترغیب
دیتا تھا؟ کس نے اسے رہ رہ کر پھسلانے اور بدی کی راہ پر لے
جانے کی کوشش کی تھی؟ تم شریف آدمی کے بیٹے ہو۔ شریف خاندان
میں پیدا ہوئے ہو! چونکہ قابل نفرت فاحشہ عورتوں کے ساتھ
اپنی قیمتی زندگی کو رات دن برباد کر رہے ہو۔ اس لئے کیا تم
ماں بہن اور بیوی کی طرف بھی نہیں دیکھ سکتے؟ کیا تم نہیں سمجھ سکتے
کہ شریف گھرانوں کی بہو بیٹیاں ایسے مذموم افعال کے لئے ہرگز راضی
نہیں ہو سکتیں؟ اور جو کسی طرح راضی ہو جاتی ہیں یاد رکھو وہ نہایت
ہی تنگ آکر ایسا کرتی ہیں۔ اپنی ماں۔ بہن اور بھائی کی حفاظت کرنے
کے لئے۔ انہیں فاقہ کشی سے بچانے کے لئے ستی نے تمہارے جیسے
پاپی کے روپیہ کو ہاتھ لگایا۔ وہ شریف والدین کی اولاد تھی۔
شریف خاندان میں پیدا ہوئی تھی۔ اس لئے دنیا کو خیرباد کہہ کر
سورگ سدھاری۔ جس روپیہ سے دکھی کا دکھ دور کیا جا سکتا ہے
محتاج اور بےکس کی مدد کی جا سکتی ہے۔ غریبوں لاچاروں کی
تنگدستی دور ہو سکتی ہے۔ بیماروں کی جان بچ سکتی ہے۔ اسی روپیہ
نے تمہارے ہاتھوں میں جا کر قاتل کا کام کیا۔ وہ ستی کی بے وقت
موت کا باعث ہوا۔ لعنت ہے! ہزار لعنت ہے تم پر اور تمہاری
خواہشات پر! لیکن یاد رکھو تم نے بری خواہشات کے قابو میں آکر

ایک بے گناہ عورت کا خون سر پر لیا ہے۔ اِس لئے اس جنم میں
تمہیں کبھی شانتی نصیب نہ ہوگی۔ اُس کی پریشان رُوح ہر جگہ
تمہارا پیچھا کرتی پھرے گی۔ ہرگز تمہارا پیچھا نہ چھوڑے گی۔ اور
خوب ذلیل و خوار کر کے تمہیں ایک روز نرک میں گھسیٹ لے
جائے گی! تم نے ایک انسان کا خون کیا ہے۔ اُس کا بھوت
تمہارے سر پر منڈلا رہا ہے"+

نریندر کو گویا سانپ سونگھ گیا۔ پتھر کا بُت بن کر بیٹھا رہا۔
کیا مجال جو دم مار سکے۔ پسینہ پسینہ ہو گیا۔ بُزدل بدمعاش خوف زدہ
نگاہوں سے چاروں طرف دیکھ کر کانپتی ہوئی آواز سے بولا :-
"میرا آپ نے کیا قصور دیکھا؟ آپ اب کیا چاہتے ہیں؟ مجھے وہم و گمان
تک بھی نہ تھا۔ کہ اِس کا ایسا ہولناک نتیجہ نکلے گا۔ ورنہ ہرگز ایسا
کام نہ کرتا"+

"شریف خاندان میں پیدا ہو کر بھی اگر تم شریف خاندانوں کی
بہو بیٹیوں کے سبھاؤ کو نہیں سمجھ سکتے۔ تو تم احمق ہو۔ نرے وحشی ہو
ذرا خیال تو کرو کہ جو عورت اپنے بھائی۔ بہن اور ماں کی جان بچا
نے اور اُن کی تکالیف دُور کرنے کے لئے اِس طرح اپنی جان قربان
کر سکتی ہے۔ اُس کا دل کس قدر فراخ ہوگا؟ اُس کی آتما کتنی اونچی
ہوگی؟ تم نے بُری خواہشات کے پنجے میں پھنس کر ایک شریف عورت
کی جان لی۔ اُف! تم بڑے پاپی ہو"!

نریندر خاموش تھا۔ کئی روز سے اُس کا عجیب حال ہو رہا تھا۔ ستی نے اُسے چکمہ دیا۔ ستی نے خودکشی کر لی۔ اس قسم کی باتیں سوچ سوچ کر وہ اپنے دل ہی دل میں کُڑھ رہا تھا۔ بشو یشور کی باتوں سے وہ آگ اُور بھی بھڑک اُٹھی۔ کچھ دیر تک بالکل خاموشی رہی پھر بشو یشور کہنے لگا: "مجھے معلوم ہوا ہے کہ ہری شنکر آپ کی بدولت ہی بابو بنا پھرتا ہے۔ اُسے ذرا میرے سامنے تو بلاؤ"۔

نریندر نے چُپ چاپ بشو یشور کے حکم کی تعمیل کی۔ چُوں چرا کرنے کی ہمت اب کہاں تھی۔ ہری کو ستی کی موت کا حال پیشتر ازیں معلوم ہو چکا تھا۔ وہ سہما ہوا غمگین چہرہ لئے بشو یشور کے سامنے آموجود ہوا۔

بشو یشور نے ہری کی طرف اشارہ کر کے نریندر کو یوں مخاطب کیا: "یہی آپ کی ناٹک منڈلی میں ہیرو ئن بنا کرتا ہے؟ اب آپ کو اسے چھوڑنا پڑے گا۔ اِس کی ماں اور بہن اِس کی خاطر ہر وقت روتی رہتی ہیں۔ اگر تم اسے اب بھی نہ جانے دو گے۔ تو اُن کے آنسو بہت جلدی تمہارا ستیاناس کر دیں گے۔ آج ہی فوراً اِسے اپنے گھر سے رخصت کر دو"۔ "آپ اِسے اپنے ساتھ لے جائیے۔ اب میں ناٹک منڈلی ہی توڑے دیتا ہوں۔ اس ناٹک ہی نے مجھے اس قدر ذلیل و خوار کیا ہے۔ اور چاہِ ذلالت میں دھکیلا ہے۔ ورنہ جناب! میں ایسا رذیل شخص نہ تھا"۔

"یہ مجھے معلوم ہے۔ تمہاری بیوی کملا اور ستی کو میں ایک نظر سے دیکھتا ہوں۔ شروع سے ہی اُنہیں اپنی بہن کے برابر جانتا اور مانتا رہا ہوں۔ مجھے بہت سے معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے۔ میں ہر جگہ اس بات کا چرچا سُنتا ہوں کہ تم اپنی فرشتہ سیرت پتی برتا بیوی سے مناسب سلوک روا نہیں رکھتے۔ اُسے ہر ممکن طریقے سے تنگ کرتے اور ستاتے ہو۔ تمہاری کرتوت کی بدولت اب وہ قریب المرگ ہو رہی ہے۔ وہ بھی ایک روز خودکشی کر کے تمہاری پاپ کی کشتی کے بوجھ کو دوچند کر دے گی۔ یاد رکھو اب تمہاری کشتی کے غرق ہونے میں زیادہ دیر نہیں ہے"۔

نریندر کچھ جواب نہ دے سکا۔ پھر بشنو بشیور ہری سے بولا:۔
"اب تم میرے ساتھ گھر کو چلو"۔

ہری نے ایک دفعہ نریندر کی طرف دیکھا اور پھر لڑکھڑاتی ہوئی آواز سے بولا:۔ "نریندر بابو! آپ اب مجھے..............."

نریندر نے بات کاٹ کر کہا:۔ "تم ضرور چلے جاؤ۔ تمہیں لوگوں نے مجھے برباد کیا ہے۔ تمہیں نے میرا دماغ بگاڑ دیا ہے۔ جو کچھ اب ہو چکا ہو چکا۔ اب میں ناتک منڈلی توڑتا ہوں۔ تم میرے گھر سے نکل جاؤ"۔

بے عزتی سے ہری کا چہرہ تمتمانے لگا۔ وہ فوراً گھر سے باہر چلا گیا۔ بشنو بشیور بھی چلنے کے لئے اُٹھ کھڑا ہوا اور بولا:۔ "نریندر بابو لو اب میں جاتا ہوں۔ اور زیادہ کیا کہوں؟ جس ستی کا تم نے خون ناحق کیا ہے۔ وہ

کملا کی بڑی گہری دوست تھی۔ اس لئے اگر تم یہ چاہتے ہو کہ ستی کی روح تمہیں معاف کر دے۔ تو اُس کی پیاری سہیلی کملا کو خوش کرنے کی کوشش کرو"۔ یہ کہہ کر لشتو لیشور باہر نکل آیا اور ہری سے پوچھنے لگا۔
"ہری! کہاں جاتے ہو؟"

"اب اور کہاں جاؤں گا؟ اب بڑے آدمیوں کی پناہ نہیں لینا چاہتا۔ ان کی ناٹک منڈلی کو فروغ دینے کے لئے اور اُسے ہر طرح کامیاب بنانے کے لئے میں نے اپنا سب کچھ لگا دیا۔ اپنی زندگی کا بیش قیمت حصہ مفت برباد کیا مگر آج اُس کا اُنہوں نے یہ انعام دیا۔ کہ بے عزتی کر کے مجھے گھر سے نکال دیا۔ اس طرح ٹھوکر مار دی۔ اب میں پہلے اپنے گھر جاؤں گا۔ اپنی ماں سے مل کر پھر جہاں سینگ سمائیں گے چلا جاؤں گا"۔

"نہیں۔ نہیں۔ اب تمہیں اِس طرح مارے مارے پھرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اپنی ماں کی خدمت کرو۔ اُسے خوش کرنے کی کوشش کرو۔ اپنے بھائی بہن کی خبر لو۔ تم اپنے گاؤں میں ہی آدمی بن کر رہ سکتے ہو۔ امیروں اور شوقینوں کی صحبت کو خیرباد کہو۔ شریفوں کی طرح کوئی کام کاج شروع کر دو۔ بہت سے آدمی تمہاری مدد کے لئے تیار ہو جائیں گے۔ کسی قسم کے فکر یا گھبرانے کی بات نہیں ہے"۔

پندرھواں باب

سبھے دِن ناہیں برابر جات

زمانہ گرگٹ کی طرح رنگ بدلتا رہتا ہے۔ کسی کی حالت ہمیشہ یک ساں نہیں رہتی۔ "کبھی کے دن بڑے اور کبھی کی راتیں"۔ مثل مشہور ہے۔ رام شنکر بھٹاچاریہ کے مکان کا نقشہ کبھی بدلا۔ اس کی مرمت ہوگئی۔ تعمیر ہونے کے بعد کسی نے اس کی خبر نہیں لی تھی۔ اس لئے بُری حالت ہو رہی تھی۔ مُدت کا بھوکا پیاسا مکان بہت سا مال مصالحہ ہضم کر گیا۔ اور پھر بھی اُس کی سیری نہ ہوئی۔ گنگا نے بشویشور کو کہہ دیا تھا کہ مرمت کی کوئی ضرورت نہیں۔ اور وہ چُپ ہوگیا تھا۔ مگر جب اَن پُورنا نے گنگا کو کہا۔ "اگر مکان کو درست نہیں کرانا چاہتی تو یہاں مت رہو۔ یہ ایک روز بے خبری میں سر پر آ رہے گا۔ چلو ہم تم سب اُسی مکان میں رہیں گے"۔ تو اُسے لاچار خاموش ہو کر مرمت کے لئے رضامندی دینی پڑی۔

جب محلے ٹولے کے لوگوں نے دیکھا کہ بھٹاچاریہ کے گھر والوں کی تقدیر کا ستارہ نحوست میں سے نکل کر پھر چمکنے لگا ہے تو وہ حسد کی آگ میں جلنے لگے۔ اُن کے لئے یہ باتیں کچھ کم قابل افسوس نہ تھیں

کہ اب گھر کی اچھی طرح مرمت ہو گئی ہے۔ ہری شنکر کی حالت بھی سدھر گئی ہے۔ وہ خوب دل لگا کر بشو لیشور کا کام کرتا ہے اور اب اُن کی گزر بھی اچھی طرح سے ہوتی ہے۔ لوگوں کے لئے گنگا کو ستانے۔ اُس کے دل پر چوٹ لگانے اور آوازے کسنے کا ایک یہی دروازہ کھلا تھا۔ کہ ہری شنکر کے چال چلن کی بابت کہیں کچھ سُنیں۔ اُس کی مذمت کریں۔ مگر اب وہ بھی بند ہو گیا۔ اب وہ یا تو ستی کے متعلق طرح طرح کی چہ میگوئیاں کرتے یا ساوتری کی نسبت سراسر بے بنیاد اور غلط افواہیں اُڑانے پھرتے۔ کوئی کہتا: "معلوم ہوتا ہے۔ کہ بشو لیشور کے ساتھ ہی کھٹا چاریہ کی لڑکی کی شادی ہوگی یہی وجہ ہے کہ آج کل راہ و رسم بڑھ رہی ہے"۔ کوئی صاحب ذرا سر ہلا کر اور آنکھیں پھرا کر فرماتے ہیں: "باجے گاجے کے ساتھ داماد بننا بہتر ہے۔ چپکے چپکے بیاہ کرا لینے میں بڑی قباحتیں ہیں"۔ لیکن جب ان لوگوں نے سُنا کہ بشو لیشور ساوتری کے لئے مناسب بر کی تلاش میں سرگرم ہے۔ اور اس دفعہ ہاڑ کے مہینہ میں شادی کر دینے کی تجویز ہے۔ تو اُن کی امیدوں کا خون ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے لئے اُن کے دلوں کی حرکت بند ہو گئی +

بشو لیشور کی آج کل عجیب حالت ہو رہی ہے۔ وہ بالکل بے حوصلہ سا نظر آتا ہے۔ آن پورنا نے اُسے اُکسانے کے لئے کہا:-
"بیٹا! اب دیر نہ کرو۔ لڑکی پندرہ برس کی ہو گئی ہے۔ اب سوچ

بچار کا وقت نہیں ہے ۔گنگا اگرچہ کسی کو کچھ نہیں کہتی ۔ مگر دل میں بڑی تکلیف اُٹھا رہی ہے ۔ دل لگا کر لڑکا ڈھونڈو"+

"موسی! مجھے کیا لڑکے کی فکر نہیں ہے؟ لیکن لڑکا بھی تو قابل ہونا چاہئے ۔ بڑی دیر کی کوشش کے بعد آج ایک جگہ سے خط آیا ہے ۔ لڑکا خوب تعلیم یافتہ ہے ۔ کئی امتحان پاس کئے ہیں ۔ خاندان بھی اچھا ہے ۔ عمر بھی ٹھیک ہے ۔ لڑکے کا باپ موجود ہے ۔ بتاؤ یہ بَر ٹھیک ہے یا نہیں"؟

"تمہارے بیان سے تو اچھا معلوم ہوتا ہے ۔ تاہم خوب اچھی طرح سے سب حال معلوم کر لینا چاہئے تاکہ بعد میں پچھتانا نہ پڑے"+

"نہیں ۔ مطمئن رہو ۔ پچھتانا نہیں پڑے گا"+

"مگر یہ تو بتایا نہیں کہ جہیز کیا دینا ہو گا"+

بشویشور ہنس پڑا ۔ بولا:- "اس قسم کا لڑکا تم مفت میں چاہتی ہو؟ روپیہ تو دینا ہی پڑے گا ۔ مگر اس کے متعلق ابھی سے فکر کیوں کرتی ہو؟ شادی کے دن بتا دوں گا ۔ اپنا روپیہ کا صندوقچہ اُس وقت میرے سپرد کر دینا"+

موسی ناراض ہو کر بولی:- "تجھے ہر وقت لڑکپن ہی سوجھتا رہتا ہے ۔ دیکھ کہیں ہاڑ کا مہینہ نہ نکل جائے"+

یہ باتیں ہو رہی تھیں تو رام دھن کی ماں بھی پاس ہی بیٹھی تھی ۔ وہ اپنا کام چھوڑ کر بولی:- "کیوں مائی جی! آپ کے بشویشور

بابو کی شادی کب ہوگی؟ کیا یہ شادی کرانا ہی نہیں چاہتے"؟
موسی نے ایک مرتبہ بشویشور کے چہرے کی طرف دیکھ کر جواب دیا:۔ "مجھے کیا معلوم ہے؟ بشویشور جانے یا پرمیشور جانے"۔
رام دھن کی ماں نے کہا:۔ "رام رام! اتنی عمر ہوگئی۔ اور شادی کا نام نہیں لیتے! بڑے آدمیوں کی سبھی باتیں عجیب ہوتی ہیں"۔ ایسے موقعہ پر بشویشور سے رام دھن کی ماں کا مذاق اڑائے بغیر نہ رہا جاتا۔ مگر وہ اپنی موسی کی مضطرب نگاہ دیکھ کر خاموش ہو رہا + پیشتر ازیں شادی کی بات چیت سے بشویشور کے دل پر کسی قسم کی چوٹ نہ لگتی تھی۔ مگر اب اُس کا دل بہت نازک ہوگیا + موسی کی دلی تکلیف کے احساس سے وہ بے چین ہوگیا۔ سوچنے لگا کہ "محض ایک خیال کے لئے میں اپنی پریم مئی موسی کے دل پر سخت چوٹ لگاتار ہتا ہوں۔ اور مجھے بھی اُس سے کوئی خاص سکھ حاصل نہیں ہوتا + بلکہ بعض اوقات اس بات کا خیال کر کے مجھے تکلیف ہوتی ہے۔ میری گزشتہ بے سمجھی کا نتیجہ کیا خوفناک نکلا"؟ بشویشور سمجھ گیا کہ دُنیا جس قاعدہ سے چلتی ہے۔ اُس کے ساتھ اُسی طرح چلنا ہوگا۔ دُنیا میں اُسی طریق سے کام کرنا ہوگا اگر اس قاعدے کی تعمیل میں سر مو تفاوت بھی ہوا۔ ذرا سا فرق بھی کیا تو گردش لیل و نہار ہمیں کر چکنا چور کر دے گی + قاعدہ کے خلاف عمل کرنے والے کا دُنیا میں ڈھونڈے سے بھی نام و نشان

نہ ملے گا۔"

مگر اب ان باتوں کو سمجھ لینے سے کیا ہو سکتا تھا؟ جو تیر کمان سے نکل چکا وہ واپس نہیں آسکتا۔ جو بالنہ ایک دفعہ پھینکا جا چکا۔ وہ لوٹ کر ہاتھ میں نہیں آسکتا۔ تلملانا۔ اور پچھتانا سب لاحاصل ہے بشولیشور کو فوراً استی کی بددعا یاد آگئی۔ اور وہ طرح طرح کے خیالات میں محو ہو گیا۔

چند روز کے بعد لڑکے والوں کے ساتھ بات پکی ہو گئی۔ اَن پُورنا نے بشولیشور کو کہا:۔"اب خواہ مخواہ دیر نہ کرو۔ ہاڑ شُدی نومیں کو شبھ لگن (نیک ساعت) ہے۔ یہی تاریخ مقرر کر لو۔"

"موسی! آج دوج تو ہو گئی۔ صرف سات دِن باقی ہیں۔ ایک ہفتہ میں سارا انتظام ہو جائے گا؟" "بہت اچھی طرح سے ہو جائے گا میں جو جو کچھ کہوں تم لا کر مجھے دیتے رہو سستی نہ کرو۔ پھر دیکھ لینا کہ کام سہولت سے ہوتا ہے یا نہیں۔"

بشولیشور نے کمر ہمت باندھ لی۔ رام شنکر کے مکان کے اگلے حصے میں ایک لمبا چوڑہ کمرہ بطور نشست گاہ استعمال کرنے کے لئے تیار کرایا گیا۔ صحن کو خوب صاف کر کے تین چار کمرے وہاں بنائے گئے۔ صحن میں ایک سائبان لگایا گیا۔ تاکہ دھوپ چھاؤں اور مینہ بوندی سے بچاؤ رہے۔ اَن پورنا مجسم اَن پُورنا دیوی کی طرح بھنڈار کو ٹھیک کرنے لگی۔ گنگا کٹھ پتلی بنی چُپ چاپ بیٹھی

دیکھا کرتی۔ اور جو کچھ اَن پُورنا کہتی وہ کر دیتی + لڑ جھگڑ کر ساوتری نے اپنے تلسی کے چبوترے کو بچایا + وہ آس پر ہمیشہ بلاناغہ چراغ جلا کر رکھتی۔ اپنی ماں اور بھائیوں کو وقت پر کھلا پلا کر اَن پُورنا کے ساتھ اپنے بیاہ کے کام دھندے میں بڑی رات گزرے تک مشغول رہتی ہے + اڑوس پڑوس کی عورتیں اِس پر ساوتری کا مذاق اُڑاتی تھیں۔ مگر ساوتری اُن کی باتوں کی طرف متوجہ نہ ہوتی تھی + اب گھر میں آدمیوں کی کمی نہیں ہے۔ بہت سے آدمی کام دھندے میں مصروف ہیں + اِدھر اُدھر کے لوگ بھی آ آ کر حال پوچھتے ہیں۔ کوئی آتا ہے کوئی جاتا ہے۔ آنے جانے والوں کا تانتا لگا ہوا ہے سب لوگ اپنایت دِکھلا رہے ہیں۔ جیٹھانی جی بھی اپنی بہن کے بیٹے کے ہاں سے تشریف لے آئی ہیں +

شادی کا دن آپہنچا۔ صرف ایک دن باقی رہ گیا + ساوتری کے چہرہ پر غازہ ملا گیا۔ اچھے کپڑے گہنے پہنائے گئے۔ اُس روز کھانا کھانے کے لئے ساوتری موسی کے گھر گئی۔ جب کھانا کھا چکی تو موسی نے آرام کرنے کے لئے اُسے اپنے کمرے میں بٹھا دیا + وہ خالی نہ بیٹھ سکی۔ پاس ہی مہابھارت کی ایک جلد پڑی تھی۔ اُٹھا کر پڑھنے لگی + سر اُٹھا کر کیا دیکھتی ہے کہ بشوِیشور سامنے کھڑا ہے۔ وہ اندر آ گیا اور پلنگ پر بیٹھ کر بولا: "کیا پڑھ رہی تھیں؟ مہابھارت؟"

ساوتری فوراً پلنگ پر سے اُٹھ کر کچھ فاصلے پر جا کھڑی ہوئی۔

اور جواب دیا۔ "ہاں" +

"ساوتری! میں تم سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔ بتاؤ گی؟"

ساوتری نے اپنی رضامندی کے اظہار کے لئے سر ہلا دیا +

"شرمانا مت۔ مجھ سے شرمانے کی ضرورت نہیں۔ میں نے جو بر تمہارے لئے تجویز کیا ہے۔ وہ میری دانست میں بہت اچھا ہے۔ مگر پھر بھی میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ کہ وہ تمہیں بھی پسند ہے یا نہیں" +

ساوتری نے کوئی جواب نہ دیا۔ سر جھکا کر نظر زمین میں گاڑ دی +

بشنو لیشور پھر بولا: "کہہ دو۔ مجھے بتلا دو۔ اگر تمہیں پسند نہ ہو تو ابھی کچھ نہیں بگڑا۔ غور کی گنجائش ہے۔ تم رضامند ہو؟"

اس دفعہ ساوتری نہایت ادب سے بولی: "میری رضامندی یہ بات آپ کیوں دریافت کر رہے ہیں؟"

"معلوم نہیں کیوں یہ بات میرے دل میں آئی۔ کہ میں ایک دفعہ تم سے پوچھ لوں۔ تمہارے دل کا حال معلوم کر لوں۔ مجھے یقین ہے۔ کہ اس رشتہ سے تمہیں ہر طرح کا آرام اور سکھ ملے گا کھو ہو گا یا نہیں؟"

"آپ مجھ سے کیوں پوچھتے ہیں؟ جب آپ کہتے ہیں کہ ملیگا تو ضرور ملے گا" +

"میرے کہنے سے کیا ہوتا ہے؟ تمہارے دل کو بھی یقین آتا ہے یا نہیں؟"

"جب آپ نے سارا کام کیا ہے۔ تو مجھے یقین ہے۔ کہ یہ سب میرے بھلے اور بہتری کے لئے ہی کیا ہے"+

"بے شک! ساوتری دراصل بات بھی یہی ہے۔ مجھے ہر وقت یہی فکر رہتا ہے۔ کہ تمہارا بھلا کس طرح ہو سکتا ہے......"

ساوتری نے بات کاٹ کر جواب دیا:- "یہ بات مجھے خوب معلوم ہے۔ آپ انسان نہیں ہیں فرشتہ ہیں"۔ یہ کہہ کر ساوتری نے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر بشوبیشور کو پرنام کیا + بشوبیشور شرمندہ ہو گیا۔ اٹھ کر بڑی سنجیدگی سے بولا:- "ساوتری! یہ کیا کرتی ہو؟ تم نے مجھے نہیں پہچانا اس لئے ایسی باتیں کرتی ہو۔ تم مجھے جو کچھ سمجھتی ہو مَیں عین اس کے برعکس ہوں۔ مَیں فرشتہ یا دیوتا نہیں ہوں۔ نہایت ہی کمزور انسان ہوں"+

ساوتری خاموش تھی۔ تھوڑی دیر بعد بشوبیشور نے پھر کہا:-

"ساوتری تم کچھ کہو گی؟ اگر کہنا ہو تو کہو"+

ساوتری نے بشوبیشور کی طرف دیکھ کر اپنی گردن نیچے کو جھکا لی اور پھر بڑی سنجیدگی سے بولی:- "مَیں آپ سے ایک بات پوچھنا چاہتی ہوں۔ شادی کے بعد کیا وہ لوگ مجھے یہاں سے لے جائیں گے؟"

"ہاں۔ ضرور لے جائیں گے۔ تم یہ بات کیوں پوچھتی ہو؟ سب عورتیں سسرال جاتی ہیں"+

"میں اس لئے پوچھتی ہوں۔ کہ اگر میں چلی گئی۔ تو پھر ماں کے پاس کون رہے گا؟ جی جی نہیں رہی۔ میں بھی نہ ہوں گی۔ تب ماں اور کالی کو کون دیکھے گا؟ کیا آپ شادی کے بعد میرے یہاں کچھ عرصہ تک رہنے کا انتظام نہیں کر سکتے؟"

بشویشور ہنس پڑا + اس ہنسی کے آنے کا سبب کچھ تو ساوتری کی بے شرمی تھی اور کچھ افسوس۔ بولا:۔ "ساوتری! یہ بھلا کس طرح ہو سکتا ہے؟ ہم اُن سے تمہیں یہاں چھوڑ جانے کے لئے کس طرح کہہ سکتے ہیں؟"

ساوتری کو کچھ فکر سا ہو گیا + تھوڑی دیر بعد سرد آہ بھر کر بولی:۔

"خیر! جانے دیجئے۔ آپ تو یہاں موجود ہی ہیں۔ اور بھائی صاحب کو بھی اب ماں کا ہر دم خیال رہتا ہے۔ اِس لئے اب میں آپ سے یہ کہنے کی چنداں ضرورت نہیں سمجھتی کہ میری ماں کا خیال رکھنا یا اُسے کوئی تکلیف نہ ہونے دینا"+

بشویشور نے پھر ہنس کر دریافت کیا:۔ "ساوتری! اپنے بیاہ کی باتیں کرتے تمہیں شرم تو محسوس نہیں ہوتی؟"

"نہیں"+

"سب عورتیں شرما جاتی ہیں۔ تمہیں شرم کیوں نہیں آتی؟"

"بھائی صاحب! جو شرماتی ہیں۔ وہ میری طرح اپنے عزیز و اقارب

کا فکر سے خون نہیں سُکھاتیں - اور نہ وہ کسی کی گردن پر نا قابل برداشت بار ہوتی ہیں"+

"ساوتری! ایسی بات مت کہو - تم کیا ہمارے سر پر بار ہو؟"

"کیوں نہیں ہوں؟ آپ کو میری وجہ سے کیا کچھ کم تکلیف اٹھانی پڑی ہے؟ کیا آپ کی دوڑ دھوپ اور سرگرم کوششیں کچھ کم تھیں؟"

بشوبشور نے جواب دیا: "میں اِن باتوں کو تکلیف نہیں سمجھتا - ساوتری! اگر مجھے کسی بات کا فکر ہے - تو یہی ہے - کہ کسی طرح میں تمہارا بھلا کر سکوں - اور ہر ممکن و مناسب طریقے سے تمہاری بہتری ہو سکے - تم لوگوں کو سُکھی دیکھ کر مجھے سُکھ ہوگا - جو بَر میں نے تمہارے لئے تجویز کیا ہے - اگر وہ کسی وجہ سے تمہیں ناپسند ہو - تو میں فوراً یہ ناطہ توڑ دوں گا - اور اس سے بہتر - اس سے بھی زیادہ قابل لڑکا تلاش کرنے کی کوشش کروں گا - مگر تم مجھے ایک دفعہ اپنے دلی خیالات سے آگاہ کر دو - مجھے ایک دفعہ بتلا دو کہ یہ بَر تمہیں پسند ہے یا نہیں"+

"آپ میری طرف سے اپنے دل میں ہرگز کسی قسم کا شک و شبہ پیدا نہ ہونے دیں - جس شخص کو آپ سب سے بُرا سمجھتے ہوں اگر آپ اُس کے ساتھ میرا ناطہ جوڑ دیں - اگر اس کے ساتھ میری شادی کر دیں - تو آپ یقین رکھئے کہ میں اُس وقت بھی اپنے تئیں خوش قسمت سمجھوں گی - اور اُس سے بڑی سُکھی ہوں گی -

میں اُس حالت میں بھی یہی خیال کروں گی کہ آپ دیوتا ہیں۔ آپ نے میری دُکھیا ماں کو کنیا دان سے سبکدوش کر کے ایک بڑی مصیبت سے نجات دلائی۔ میری بہن سورگ سدھارتے وقت ہمیں آپ ہی کے سپرد کر گئی ہے"+

ساوتری بڑے ادب سے سر جھکا کر چلی گئی + بشو یشور ایک منٹ کے لئے اپنی ہستی کو فراموش کر بیٹھا۔ اور بُت کی طرح خاموش اور شانت ہو کر اپنے دل میں سوچنے لگا :- "یہ سورگ کی دیویاں یہاں دُنیا میں کیوں آئی ہیں؟ کیا دُنیا کے دُکھ درد بھوگنے اور تکالیف برداشت کرنے کے لئے ہی یہ یہاں آئی ہیں؟ مگر نہیں میں غلطی پر ہوں۔ ستی کی دعا (آشیرباد) ہر وقت سایہ کی طرح ساوتری کے ساتھ ہے۔ اُس کا کلیان ہوگا۔ وہ ضرور آباد و شاد ہوگی"+

بشو یشور بیاہ والے مکان میں گیا اور خوب دل سے کام کرنے لگا + بڑی رات گزرے وہاں سے اپنے گھر واپس آکر سو گیا + اگلے دن شام کے وقت بَر اور باراتی آپہنچے + بشو یشور نے بارات کے ٹھہرنے کے لئے پہلے ہی سے مناسب انتظام کر دیا تھا۔ سب لوگ بڑے ادب کے ساتھ وہاں ٹھہرائے گئے۔ جب بشو یشور نے دیکھا۔ کہ دُولھا نہایت خوش رو جوان ہے۔ تو اُس کا جی باغ باغ ہو گیا۔ مگر جب اُسے معلوم ہوا کہ اُس کا باپ پرلے درجہ کا حریص

اور انتہا درجہ کا خود غرض ہے تو اُسے بڑا دُکھ ہوا + آؤ بھگت کے بعد مہمانوں کو کھانا کھلایا گیا - اِس سے فراغت پاتے ہی سب لوگ اپنے اپنے بستروں پر جا لیٹے + پلک جھپکتے میں رات ختم ہو گئی بشولیشور فوراً اُٹھ بیٹھا اور دونوں ہاتھوں سے آنکھیں ملتا بیاہ والے مکان میں جا پہنچا +

ابھی سورج نہیں نکلا تھا - باہر شہنائی والا صبح کی تان چھیڑ رہا تھا - ساوتری تلسی کے چبوترے کے قریب گئی - اور گھٹنے ٹیک کر پرنام کر کے اُٹھ کھڑی ہوئی + اُس وقت تک گھر کا اور کوئی آدمی نہیں جاگا تھا + بشولیشور نے چاہا کہ یہ اس بات پر ساوتری کا مذاق اُڑائے - کہ وہ آج اتنی جلدی کس طرح جاگ گئی - مگر بشولیشور کے لبوں پر مُہرِ خاموشی لگ گئی - اُس کی زبان سے ایک لفظ بھی نہ نکلا شانت اور گمبھیر ساوتری کی طرف دیکھ کر چُپ رہ گیا - زبان ہلانے کی ہمت تک نہیں ہوئی - نہ معلوم وہ جوگن جوگ کی کون سی سمادھی میں محو تھی - پرماتما جانے وہ کس معبود کی عبادت میں ہمہ تن مشغول تھی - نہ معلوم کس دیوتا کے دھیان میں وہ اپنا آپا مٹائے بیٹھی تھی کہ دُنیا کا شور - کانوں کو بہرہ کر دینے والا غل غپاڑہ - اور ارد گرد کی چہل پہل نہ اُس کے کانوں میں پہنچتی تھی - اور نہ اُس کے دل پر کوئی اثر کرتی تھی +

سولھواں باب

شام ہونے کو آئی ہے۔ گھر اندر باہر آدمیوں سے بھرا ہوا ہے کوئی آتا ہے۔ کوئی جاتا ہے۔ چاروں طرف چہل پہل ہے۔ مارے غل کے کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی۔ گاؤں کے سب لوگوں کو بلایا گیا ہے۔ ہر ایک آدمی کچھ نہ کچھ کام کر رہا ہے۔ کسی نہ کسی کام میں شادی والوں کا ہاتھ بٹا رہا ہے۔ چاروں طرف لیمپ اور چراغ روشن کر دئے گئے ہیں۔ پہلے پہر کا لگن ہے۔ بشنو لیشور اکیلا چاروں طرف دیکھ بھال میں مصروف ہے۔ گھر کے اندر اَن پورنا کی حکومت ہے۔ آج گنگا سب کی نظروں سے بچ کر جس جگہ سنتی مری تھی وہاں اوٹ میں جا بیٹھی ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد ساوتری بھی اُس کے پاس جا بیٹھی۔ دلھن کا جامہ زیب تن تھا۔ اور پیشانی پر ٹیکا لٹک رہا تھا۔

گنگا وسواس سے گھبرا اُٹھی اور بھرّائی ہوئی آواز سے بولی:۔

"ساوتری! تو یہاں کیوں آگئی؟ تجھے تو اس وقت چوکی پر بیٹھنا چاہئے جا بیٹی۔ وہاں جا کر بیٹھ"۔

"چلی جاؤں گی۔ میں ذرا تمہارے پاس بیٹھ لوں"۔

"نہ نہ۔ جا۔ اَن پورنا بہن کہاں گئی؟"

جب اَن پُورنا نے دیکھا کہ ساونری چوکی پر موجود نہیں ہے۔ تو وہ دوڑی ہوئی آئی۔ اور گنگا کو سخت وسست کہنے لگی + گنگا لڑکی کو وہاں سے لے گئی۔ اور جاکر اسے بیاہ کی چوکی پر بٹھا دیا۔ بشیشور اَن پُورنا سے بَر کا جامہ جوڑا۔ ہیرے کی انگوٹھی وغیرہ لینے کے لئے اندر آیا۔ اور دروازے میں کھڑا ہو گیا۔ باہر باجے بجنے لگے عورتیں منگل اور مبارک باد کے گیت گانے لگیں۔ بشیشور ابھی کھڑا ہی تھا کہ ایک بھلا آدمی باہر سے آیا اور کہنے لگا:۔ "آپ تو بچوں کی سی باتیں کر رہے ہیں۔ یہ چیزیں تو بعد ازاں بھی لے لی جائیں گی۔ پہلے ذرا ادھر آؤ"۔ "اچھا چلو"۔ کہہ کر بشیشور نے اندر کی طرف جھانک کر دیکھا۔ کہ ساونری کا چہرہ کپڑے اور پٹے سے ڈھکا ہوا تھا۔ بشیشور سبھا کی طرف چلا۔ مگر اس کا دل دھڑک رہا تھا۔ اور اس کے پاؤں تھر تھر کانپ رہے تھے:

دولھا سبھا میں لایا گیا۔ لڑکی والوں اور لڑکے والوں میں بحث مباحثہ۔ سوال جواب۔ شاستر ارتھ اور ہنسی مذاق ہو رہا تھا دولھا آکر چپ چاپ بیٹھ گیا + بشیشور آکر ایک طرف کھڑا ہو گیا + اُس نے ایک دفعہ دولھا کے مُنہ کی طرف دیکھا۔ ایک طرف سمدھی صاحب مُنہ لٹکائے لوگوں سے باتیں کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ میں نے بہت ہی کم جہیز قبول کر لیا۔ وہ اپنی اس حرکت پر نادم اور پشیمان ہو رہے تھے اور گاؤں کے پروپکاری لوگ انہیں طرح

طرح کی امیدیں دلا رہے تھے ✣

نائن نے آ کر کہا :- "بابوجی! اب دیر کیوں کر رہے ہو؟ اندر سب تیاری ہو چکی ہے"۔ بشو بشور نے ہری کو بُلا کر اُسے سمجھا دیا۔ کہ نہیں یہ یہ باتیں کہنی چاہئیں۔ چنانچہ ہری نے ہاتھ باندھ کر عرض کی :- "ہمیں اجازت دیجئے کہ دُولہا کو منڈپ میں لے جائیں اور کنیا دان کریں" ✣

چاروں طرف سے لوگ کہنے لگے :- "ہاں' ہاں' ضرور" مگر سمدھی صاحب سنگھ کی طرح گرج کر کہنے لگے :- "پہلے جہیز کا روپیہ لے آئیے۔ بعد ازاں اور کچھ ہو گا" ✣

"یہ لیجئے۔ ذرا گِن کر دیکھ لیجئے۔ اب تو دُولہا کو منڈپ میں لے جائیں؟"

روپیہ گنتے گنتے سمدھی نے بائیں ہاتھ سے لڑکے کو نہ جانے کا اشارہ کر دیا۔ بشو بشور اور ہری کے دلوں پر بجلی گر پڑی۔ وہ خاموش کھڑے رہے ✣

روپیہ گِن کر سمدھی بولے :- "ہاں۔ یہ نو تین ہزار ہو گئے۔ اب لڑکی اور لڑکے کے زیور لائیے۔ مَیں نہیں چاہتا کہ بعد میں کسی قسم کا جھگڑا بکھیڑا ہو۔ لڑکی کو یہیں لے آؤ نہ" ✣

بشو بشور کو ذرا طیش آ گیا۔ وہ بولا :- "آپ ہمیں اتنا ذلیل نہ سمجھیں لڑکی یہاں نہیں آ سکتی۔ بھلا یہ کہاں کا رواج ہے؟ اندر چل کر

دیکھ لیجئے" +

"اس میں چڑنے کی بات ہی کیا ہے؟ یہ تو لین دین کا معاملہ ہے
خوش معاملگی اور صفائی ہی بہتر ہوتی ہے۔ لڑکی کو یہاں لے آنے
میں نقصان کی کیا بات ہے؟ ہماری طرف تو یہی رواج ہے"۔ بہت
سے آدمیوں نے سر ہلا کر سمدھی صاحب کی بات کی تائید کر دی +

بشنو لیشور نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا: "آپ کے یہاں کے
چلن آپ ہی کے چلیں گے۔ لڑکی کو ہرگز یہاں نہیں لایا جا سکتا" +

جو لوگ ہاں میں ہاں ملانے والے بیٹھے تھے۔ انہیں اب مجبور
ہو کر سمدھی صاحب کو سمجھانا پڑا: "روپیہ گن کر رکھ لو۔ اندر ہی چلے
چلو۔ جو کچھ دیکھنا یا کہنا سننا ہو وہیں چل کر دیکھ سن لو" +

آخر بڑی کشمکش کے بعد کچھ لوگ سمدھی صاحب کو اندر منڈپ
میں لے گئے + دولھا کے کپڑے اور زیور وغیرہ ملاحظہ کر کے سمدھی
صاحب گدھے کی طرح رینگ کر بولے: "یہ تو ہو گیا۔ اب لڑکی کو
لائیے" +

اندر سے عورتیں بولیں: "پہلے ہماری رسوم ادا ہو لیں۔
پھر کنیا دان ہو گا" +

یہ سن کر ہری نے جھنجھلا کر کہا: "تم چھوڑو اپنی رسم رسوم کو
پہلے سمدھی کو تو خوش کر لو۔ یہ شادی کرنے نہیں آئے۔ روپیہ بٹورنے
کی نیت سے آئے ہیں" +

ہری نے ساوتری کو سمدھی کے آگے لاکر بٹھا دیا۔ ساوتری کے منہ پر نقاب پڑا ہوا تھا۔ سمدھی صاحب نے ایک ایک کرکے لڑکی کے سب زیور غور سے دیکھے۔ پھر انہیں ذرا تسلی ہوئی۔ خوش ہوکر اٹھ کھڑے ہوئے اور بولے:۔ "اچھا اب لڑکی کو گھر کے اندر مت لے جاؤ۔ جو کچھ رسم رسوم ہوں وہ سب یہیں ادا کرلو۔ ہاں ایک بات تو مَیں بھول ہی گیا تھا۔ لڑکی کی طرف سے مختار کون صاحب ہیں"؟

ہری بشو لیشور کے منہ کی طرف دیکھنے لگا۔ یہ دیکھ کر بشو لیشور نے ہری کی طرف اشارہ کرکے کہا:۔ "یہی ہیں۔ آپ لڑکی کے بڑے بھائی ہیں"۔

"بہت اچھا۔ بالکل ٹھیک ہے۔ مگر مَیں آپ سے ایک بات اور کہنا چاہتا ہوں۔ مناسب تو یہی تھا۔ کہ آپ مجھے اس راز سے پہلے ہی آگاہ کردیتے۔ اگر مجھے معلوم ہوتا تو میں یہ رشتہ کبھی منظور نہ کرتا۔ خیر اب جو ہوگیا سو ہوگیا۔ ایک ہزار روپیہ اور لائیے تب شادی ہوگی۔ آپ شریف آدمی ہیں۔ اس لئے مَیں آپ کی ذات میں بٹہ نہیں لگانا چاہتا.........."

بشو لیشور بات کاٹ کر بول پڑا:۔ "اب اور کیسا روپیہ؟ آپ تو بڑے بڑے جال پھندے ڈال رہے ہیں۔ شادی کرنا چاہتے ہیں یا نہیں"؟

"آپ کون ہیں - صاحب؟ نہ تین میں نہ تیرہ میں - آپ خواہ مخواہ کیوں دخل دیتے ہیں؟ بات مختار سے ہو رہی ہے - آپ سے ہمیں کیا مطلب"؟

ہری گھبرا گیا اور بات کاٹ کر بولا :- "صاحب! یہی مالک ہیں - یہی مختار ہیں - جو کچھ کہنا ہو انہیں سے کہئے" +

معلوم ہوتا ہے تم سب بڑے پکے جعل ساز ہو - اس بات کا بھی پتہ نہیں لگتا کہ مالک کون ہے - جیسا شریف خاندان ہے ویسی ہی مکاری جعل سازی بھی ہے - ہے پرمیشور! ایسے گھر میں بھلا کون شادی کرنے چڑھے گا"؟

بشو لیشور نے بڑی مشکل سے اپنے تئیں ضبط کر کے جواب دیا :-

"فرمائیے - کیا ارشاد ہے؟ میں ہی مالک ہوں" +

"اتنی دیر خواہ مخواہ کیوں مغالطے میں ڈال رکھا؟ اس فریب سے کیا مقصود تھا؟ اب ایک ہزار روپیہ اور لائیے ورنہ شادی نہیں ہو سکتی" +

"کیوں؟ کس لئے؟ جتنا آپ سے اقرار کیا گیا تھا اتنا آپ کو مل گیا" +

"مجھے اس بات کا کیا علم تھا - کہ آپ کا خاندان ایسا شریف اور پاک ہے؟ لڑکی کی بڑی بہن کا چال چلن اچھا نہیں تھا - کہتے ہیں کہ اس نے زہر کھا کر خودکشی کی تھی" +

بشولیشور شیر کی طرح گرج کر بولا:۔ "کون کہتا ہے؟ چُپ رہو ذرا مُنہ سنبھال کر بات کرو"+

"مَیں کیا مُنہ سنبھالوں گا؟ چلو۔ ایک طرف ہٹو۔ میں شادی نہیں کرتا۔ دیکھوں گا تم کیا کرتے ہو۔ چلو بیٹا نریندر! اُٹھو"+

اشارہ ہوتے دیر لگی مگر تعمیل میں دیر نہ ہوئی۔ نریندر فوراً چوکی پر سے اُٹھ کھڑا ہوا+ لوگ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے۔ اور دُولہا کو روکنے اور سمجھانے لگے:۔ "صاحب کیا کرتے ہو؟ کہاں جاتے ہو؟ اجی بیٹھو بھی"۔ ایک شخص نے دُولہا کے باپ کے پاس جا کر کہا:۔

"آپ ذرا صبر کیجئے۔ دم لیجئے۔ میں ایک منٹ میں فیصلہ کرا دیتا ہوں۔ آپ ایسا کام نہ کریں"+

"لڑکی کی شادی کرنا چاہتے ہیں یا نوابی کرتے ہیں؟ یہ دھمکیاں کیسے دیتے ہیں۔ دیکھوں گا اس لڑکی کی شادی کس طرح ہوتی ہے؟"

بشولیشور تصویر کی طرح خاموش کھڑا تھا۔ اتنے میں دو تین آدمی آئے۔ اور بشولیشور کی پیٹھ ٹھپک کر بولے:۔ "تسلی رکھئے۔ ہم سارا جھگڑا رفع کئے دیتے ہیں۔ اب کیوں ناحق شور مچایا ہے۔ اتنا کچھ کر کرا کے ذراسی بات کے لئے خواہ مخواہ سارا بنا بنایا کام بگاڑتے ہو؟ صرف ایک ہزار روپیہ مانگتا ہے۔ چلو دے کر فیصلہ کرو۔ بات ہی کیا ہے۔ اس وقت تم دے دو۔ اگر کہوگے تو شادی کے بعد چندہ جمع کر کے ہم یہ روپیہ آپ کو دے دیں گے۔ جاؤ دیر نہ کرو۔

روپیہ دے کر جھگڑا مٹاؤ - لگن بیتا جا رہا ہے" +

عورتیں اندر بتوں کی طرح خاموش کھڑی تھیں - ان کی رسم رسوم - گیت بدھائیاں سب بند ہو گئے - چاروں طرف شانتی کا عالم تھا + بشویشور نے دیکھا کہ پاس ہی ایک عورت بیہوش پڑی ہے اَن پورنا اُس کے پاس بیٹھی پنکھا جھل رہی ہے - اور بشویشور کو مخاطب کر کے کہہ رہی ہے :"آ بیٹا - یہاں آ - یہ روپیہ لے جا - دیر کیوں کرتا ہے ؟ لگن بیتا جا رہا ہے" - بشویشور تاڑ گیا کہ جو عورت بیہوش پڑی ہے وہ گنگا کے سوائے اور کوئی نہیں ہو سکتی + ہری قریب ہی کھڑا ہے - اور بہت سہما ہوا سا اس کی طرف ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا ہے بشویشور نے ایک منٹ کے لئے ساوتری کی طرف دیکھا - وہ اُسی طرح نقاب ڈالے چُپ چاپ بیٹھی تھی +

بشویشور لڑکے والوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا :"سنئیے یہ میری آخری بات ہے - لڑکی کی بڑی بہن مجسّم دیوی تھی - وہ سورگ سدھاری ہے - اگر اُس کے بارے میں کوئی شخص کچھ بُرا بھلا کہے گا - تو یاد رکھئے وہ پاپ کا بھاگی بنے گا - مَیں آپ کو بتلا دینا چاہتا ہوں - کہ اب میں کسی طرح بھی اور روپیہ نہیں دے سکتا - جو آپ کی مرضی میں آئے کیجئے" +

چاروں طرف سے لوگ یک زبان ہو کر بول اُٹھے :"اوہ ! بشویشور بابو ! کیا کہہ رہے ہو ؟ یہ کیا کرتے ہو ؟"

ہری بھرّائی ہوئی آواز سے بولا:۔" وشو بھیّا! کیا کہہ رہے ہو؟
بشو لیشور نے مستقل مزاجی سے جواب دیا:۔" ہری۔ تم کچھ نہ بولو
آپ یقین کیجئے۔ کہ میں اب روپیہ نہیں دُوں گا۔ صرف ایک بات
دُولھا سے کہنا چاہتا ہوں۔ جو بیش بہا گوہر آج میں اُنہیں دینا چاہتا
ہوں۔ اگر اُن میں تمیز ہے تو ذرا غور کر کے دیکھیں۔ کہ وہ کِس قدر
بے بہا ہے۔ کتنا بیش قیمت ہے۔ اور اس وجہ سے اُن کی تقدیر کیسی
زبردست ہے۔ ذرا سوچو تو سہی کہ ایسا انمول گوہر کیا کہیں مول
مِل سکتا ہے"؟
یہ بات ختم کر کے بشو لیشور نے ساونتری کے چہرہ سے نقاب
ہٹا کر اُس کا رُخ دُولھا کی طرف کر دیا اور کہنے لگا:۔ ذرا اِدھر دیکھو
اِس انمول ہیرے کا کیا مول دیا جا سکتا ہے"؟
دُولھا بہت سنجیدگی سے بولا:۔" والد صاحب کی موجودگی
میں مُجھ سے کچھ کہنا سُننا فضول ہے"+
دُولھا کے والد نے روٹھ کر کہا:۔" چلو۔ بیٹا! اُٹھو۔ انہیں شادی
کرنا منظور نہیں۔ مکّاری کر رہے ہیں۔ چلو۔ ہم چلتے ہیں"+
جو لوگ دراصل خیر خواہ تھے وہ کہنے لگے:۔" بشو لیشور! کیا کرتے
ہو؟ اب بھی سوچ سمجھ کر کام کرو"+
بشو لیشور نے جواب دیا:۔" میں نے خوب سوچ لیا ہے"+
جب یہ جواب سُنا تو جو لوگ بڑے چالاک اور ہوشیار تھے۔ وہ

پہلے دُولہا کے باپ کو آنکھ سے اشارہ کر کے آہستہ سے بولے :" اب ضِد نہ کرو۔ آپ کا یہ داؤ چُوک گیا۔ اِس وقت جو کچھ بل گیا۔ وہی ٹھیک ہے۔ اپنے پہلے فیصلہ کے مطابق ہی لینا منظور کر لیجئے"۔
اور پھر زور زور سے کہنے لگے :۔ "اچھا آؤ۔ ہم نے جھگڑا بکھیڑا مٹا دیا صاحب! ایک آدمی کی اُس کی ذات برادری والوں کے سامنے ہتک کرنا یا کسی طرح اُس کی ذات میں بٹّہ لگانا ہرگز بھی مناسب نہیں تھوڑی دیر کے لئے آپ ہی چھوٹے ہو جائیے۔ جو کچھ اقرار کیا گیا تھا اُسی کے مطابق لے لیجئے۔ جاؤ ہری شنکر! لڑکی کو چوکی پر بٹھاؤ۔ بَر کو بھی بُلالو۔ کیوں بشنولیشور! اب تو فیصلہ ہو گیا یا نہیں"؟
بشنولیشور ٹس سے مَس نہ ہوا۔ اُسی طرح پتھر کا بُت بنا کھڑا رہا اور بولا :۔ اب آپ لوگ مجھے کچھ نہ کہیں۔ دُولہا کو یہاں سے لے جائیں۔ ایسے واقعہ کے بعد جو شخص ایسے کمینہ اور رذیل اشخاص ہاتھوں میں اپنی لڑکی دھکیل دے وہ خود انتہا درجہ کا رذیل اور بے حیا نہیں ہو گا تو اور کون ہو گا؟ آپ تشریف لے جائیے۔ اب یہ شادی نہیں ہو گی"+
سب کی عقل کے طوطے اُڑ گئے۔ ہر کوئی جانتا تھا۔ کہ بشنولیشور اپنی بات کا پکا ہے۔ جو کچھ کہتا ہے۔ وہی کرتا ہے۔ اُس کے قول اور فعل میں سرِ مو تفاوت نہیں ہوتا۔ یہی وجہ تھی کہ لوگ بہت حیران ہو رہے تھے۔ جب بارات والوں نے دیکھا کہ اُن کی ہتک

ہو رہی ہے۔ تو وہ اُٹھ کر چلنے لگے + قدیم خیر اندیش رام تنو بشو بشیور سے کہنے لگا:۔ "بشو بشیورا تم نے غضب کیا۔ اگر کہو نواب بھی کسی طرح سمجھا بجھا کر واپس لے آؤں؟ ورنہ بے چاری برہمن کی لڑکی کی ذات ناحق گئی" +

"ذات کس طرح چلی جائے گی؟ دوسرے لڑکے کے ساتھ شادی کر دی جائے گی" +

"دوسرا لڑکا کہاں ہے؟ اس وقت آدھی رات کو لڑکا کہاں سے ڈھونڈ لاؤ گے؟"

"تلاش کرنے کے لئے دُور جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ لڑکا پاس ہی موجود ہے۔ مہمانوں کی خاطر تواضع کا کام میں نے آپ کے سپرد کیا۔ جا کر سب انتظام کیجئے۔ نِرمل! ہری ہرا تم بھی اُن کے ساتھ جاؤ۔ مَیں خود دُولھا بن کر بیٹھتا ہوں" +

سب لوگ انگشت بدنداں جُوں کے توں رہ گئے۔ اگر آسمان سے اچانک بجلی گر پڑتی تب بھی کسی کو اس قدر حیرت نہ ہوتی۔ گاؤں کے لوگوں میں مارے خوشی کے ہل چل مچ گئی۔ وہ جوق در جوق اِدھر اُدھر سے آ کر جمع ہوئے۔ اور "کیا ہوا؟ کیا ہوا؟" کہہ کر شور مچانے لگے +

بشو بشیور بولا:۔ "ہونا کیا تھا؟ کچھ بھی نہیں۔ میرے سر پر باپ کا سایہ نہیں۔ اس لئے لاچار ہو کر مجھے خود ہی آپ کی آؤ بھگت

کرنی پڑی۔ آپ اس مبارک کام میں میری مدد کیجئے" +

کچھ دیر کے لئے چاروں طرف سناٹا ہو گیا۔ پھر دو چار شریف آدمی آکر بشنو لیشور کو مبارک باد دینے لگے + بشنو لیشور سب کو پرنام کرکے موسی کی طرف چلا اور دور سے ہی پکارنے لگا:۔ "موسی!"

اُن پورنا بھیڑ چیر کر فوراً باہر آئی اور بشنو لیشور کو ایک ننھے سے بچے کی طرح کھینچ کر چھاتی سے لگا لیا + اور دونوں ہاتھ اُٹھا کر اُسے دعائیں دینے لگی + پھر بشنو لیشور گنگا کے پاس پہنچا اور اُسے پرنام کرکے منڈپ میں جا بیٹھا۔ بوڑھا رام تنو وہاں کھڑا تھا۔ بشنو لیشور اُسے مخاطب کرکے بولا:۔ "اب سارے کام دھندے کے ذمہ دار آپ ہیں۔ میں بیٹھتا ہوں" +

"ہاں ہاں! شوق سے بیٹھو۔ کام کا ذرا بھی فکر نہ کرو۔ ہم لوگ سب کام کر لیں گے" +

بشنو لیشور نے بر کا جامہ جوڑا اُٹھا کر چپ چاپ پہن لیا۔ اور چوکی پر جا بیٹھا + پروہت بولا:۔ "ابھی نہیں ذرا ٹھیرو۔ پہلے عورتوں کو اپنی رسوم ادا کر لینے دو۔ کنیا دان بعد از اں ہوگا" +

جب سب رسوم ادا ہو چکیں تو ہری نے کنیا دان کیا۔ بشنو لیشور نے دائیں ہاتھ میں لڑکی کا ہاتھ پکڑ کر ہری کو آنکھ سے اشارہ کیا۔ وہ دیر سے دیکھ رہا تھا کہ ساوتری بے ہوش ہوئی جا رہی ہے ہلتی جُلتی نہیں۔ جب ہری نے ساوتری کی یہ حالت دیکھی۔ تو گھبرا

گیا اور بولا :۔ "اب کیا کرنا چاہیئے؟"

پروہت بولا :۔ "کیوں؟ کیا ہوا؟"

"لڑکی کی طبیعت خراب معلوم ہوتی ہے" +

"ایسا تو ہونا ہی تھا ۔ یہ کوئی معمولی واقعہ ہے؟ ایسی حالت میں تو بڑے بڑے باحوصلہ اشخاص کا حوصلہ ہاتھ سے جاتا رہتا ہے ۔ خیر اب دیر نہ کرو ۔ جلدی سے منتر پڑھ کر ختم کرو" +

شادی ہوگئی ۔ ہری نے ڈرتے ڈرتے پکارا :۔ "اندر سے کوئی آدمی ذرا اِدھر آنا" +

یہ سُنتے ہی گنگا باہر نکل آئی اور ساوتری کا سر اپنی گود میں لے کر بیٹھ گئی + اَن پُورنا پاس بیٹھ کر چُپ چاپ پنکھے سے ہوا کرنے اور مُنہ پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے دینے لگی + تھوڑی دیر بعد ساوتری کو ہوش آگیا ۔ گنگا نے پوچھا :۔ "بیٹی! تجھے کیا ہوگیا تھا؟ میں نے تو سمندر کا سارا پانی اُلیچ کر گم شدہ گوہر پایا ہے" دونوں ہاتھوں سے ماں کے گلے لپٹ کر ساوتری رو پڑی اور بولی :۔ "ماں! میری جی جی کہاں گئی؟ اُسے بُلا دو" +

سترھواں باب

ہوتے ہوتے اگلا سال آپہنچا + اس دفعہ بھی بشو لیشور کے پائیں باغ میں آم کے درختوں پر خوب پھول آیا ہے۔ لال لال پتیوں اور پھول کے سبب درخت نہایت ہی خوشنما معلوم ہوتے ہیں۔ شہد کی مکھیاں خوب مصروف ہیں۔ انہیں کان تک کھجلانے کی فرصت نہیں + ناریل کے درختوں کی چوٹیاں آسمان سے لگ رہی ہیں اُن کی ہری ہری شاخیں مارے ہوا کے جھونکوں سے بہرلا رہی ہیں۔ نارنگی کے دونوں پیڑ نئی نویلی دُلھن کی طرح لال لال پوشاک پہنے کونے میں کھڑے ہیں۔ ہوا کے جھونکے نیم شگفتہ غنچوں سے اٹکھیلیاں کر رہے ہیں۔ ہوا انہیں جھولا جھلاتی ہے۔ نیچے زمین پر گرا دیتی ہے۔ اور پھر اُن کی خوشبو سے معطر ہو کر اِدھر اُدھر دوڑی پھرتی ہے۔ یہ سب باتیں پہلے بھی اسی طرح ہوا کرتی تھیں۔ مگر بشو لیشور (جو اس وقت ہاتھ میں کتاب لئے درختوں کے نیچے اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر پھر رہا ہے) سمجھتا ہے۔ کہ ایسی بہار پہلے کبھی نہیں دیکھی گئی۔ موسم کا یہ رنگ روپ بیشتر ازیں کبھی نظر نہیں آیا +

بہت سے کاغذات ہاتھ میں لئے بشو لیشور کا کارندہ نوارن

چندر آیا اور کہنے لگا:۔ "آپ ذرا یہ حساب دیکھ لیتے ۔ تو اچھا ہوتا ۔ مندر کی تعمیر پر تخمینہ سے کچھ زیادہ خرچ ہوتا نظر آتا ہے"+

بشو لیشور اپنے ہاتھ کی کتاب بند کر کے بولا:۔ "تخمینہ سے زیادہ تو خرچ ہوا ہی کرتا ہے ۔ یہ سب کاغذ آپ گھر پر لے چلیں ۔ وہیں دیکھوں گا"+

بشو لیشور انتہا درجہ کے دلفریب قدرتی منظر کا لطف اُٹھا رہا تھا ۔ اِس وقت دُنیا اور کار دُنیا کا فکر کرنا اُسے ٹھیک معلوم نہ ہوا + گھر پہنچ کر دونوں آدمی اندر حساب کتاب کے کمرہ میں گئے + بشو لیشور نے دریافت کیا:۔ "مندر تیار ہونے میں ابھی اور کتنا عرصہ لگے گا؟"

" قریباً آدھا کام ختم ہو چکا ہے ۔ باقی بھی آہستہ آہستہ ہو رہا ہے ہاں ۔ ایک بات یاد آئی ۔ ہری ہر کہتے تھے کہ جو حساب آپ نے تیار کرنے کے لئے کہا تھا ۔ اس کا بہت سا حصہ تیار ہے آپ دیکھیں گے؟"

"اچھا ۔ موسی چاہتی ہیں ۔ کہ اگلے سال سکرانت کے دن مورتی اور مندر کی پرتشٹھا کر دیں"+

" یقین ہے ۔ اس سے پہلے ہی سب کام ٹھیک ہو جائے گا"+

سب کچھ دیکھ سُن کر بشو لیشور نہانے کے لئے چلا گیا+

ندی سے واپس آکر بشو لیشور کھانا کھانے بیٹھ گیا+ کھانا کھلاتے

وقت موسی نے اِدھر اُدھر کے سوالوں کی جھڑی لگا دی :۔" ہری کے لئے تم جس لڑکی کو دیکھنے گئے تھے وہ صورت شکل میں کیسی ہے؟ تمہاری ساس نے تم لوگوں کو بُلایا ہے ۔ میں بہو کو دو چار دن کے لئے اُس کی ماں کے پاس بھیجوں گی ۔ یہاں غریب کی کوئی برابر کی ساتھن سہیلی نہیں ہے ۔ اِس لئے ہر وقت مُنہ پر نقاب ڈالے مُنہ چھُپائے رہنا پڑتا ہے ۔ مگر وہاں بھی زیادہ دیر تک کس طرح ٹھیرنے دوں گی ؟ میرا کام کس طرح چلے گا ؟ تین چار دن کے بعد بُلا لُوں گی ۔ ہری ہر کہتا تھا کہ تمہاری دُکان میں آج کل بہت منافع ہو رہا ہے ۔ یہ بات ٹھیک ہے ؟ ...."

بشویشور ہر ایک بات کے جواب میں 'ہاں ہاں' 'ٹھیک' 'بہت ٹھیک' وغیرہ کہتا رہا +

کھانا کھانے کے بعد کچھ دیر آرام کر کے بشویشور اپنا کاروبار دیکھنے کے لئے باہر چلا گیا + تیسرے پہر گھر واپس آیا ۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ موسی گنگا کے گھر گئی ہوئی ہے + اُس نے سوچا کہ اِس موقعہ کو ہاتھ سے جانے دینا بڑی بے وقوفی کا کام ہوگا + وہ اِدھر اُدھر دیکھتا ڈھونڈتا مندر والے کمرے میں پہنچا + جھانک کر دیکھا کہ ساوتری کے آگے پھُولوں کا ایک برتن رکھا ہے ۔ اور وہ مالا گوندھنے میں مصروف ہے + بشویشور نے اُن دونوں پریم کی مورتیوں کی طرف دیکھا ۔ پہلے تو دیوی کی مُورتی کی طرف اور پھر ساوتری کی طرف جو اپنا سر

جھکائے بیٹھی تھی + اُسے دونوں میں ایک بڑی حد تک مشابہت معلوم ہوئی - دیکھا کہ قابل سنگ تراش نے جن خیالات اور جذبات کا اظہار دیوی کے مُنہ پر کیا ہے - اُنہیں کی نمایاں جھلک ساوتری کے مُنہ پر نظر آ رہی ہے - دونوں کے چہروں پر پریم ہی پریم اور نور ہی نور نظر آتا ہے + لشو لیشور نے آہستہ سے قریب آ کر پوچھا:-
"یہ ہار کس کے لئے بنایا جا رہا ہے"؟

ساوتری چونک پڑی - لشو لیشور کی طرف دیکھ کر بڑے ادب سے بولی:- "دیوتا کے لئے" +

"کون سے دیوتا کے لئے"؟

ساوتری نے کچھ جواب نہ دیا - وہ چُپ چاپ سر اُٹھا کر لشو لیشور کے مُنہ کی طرف دیکھنے لگی + لشو لیشور بہت ہی سنجیدہ ہو کر کہنے لگا:-
"تم کتنے دن بعد اپنا دیوتا تبدیل کرتی ہو؟ مجھے معلوم ہوتا ہے - کہ دیوتا کا رُتبہ دیتے لیتے تمہیں دیر نہیں لگتی" +

ساوتری نے مُسکرا کر سر جُھکا لیا - لشو لیشور اور بھی قریب آ گیا اور ہار چھین کر بولا:-

"میں اپنا درجہ مفت میں چھوڑنے والا نہیں ہوں - یہ ہار میرا ہے" +

ساوتری سہم گئی اور کہنے لگی:- "یہ کیا کیا؟ اس سے عذاب ہوگا - موسی نے تو اسے دیوتا پر چڑھانے کے لئے ...."

"پہلے کیوں نہیں بتلایا کہ کس دیوتا کے لئے؟ معلوم ہوتا ہے کہ اب تم میں وہ پہلی سی عقل مندی نہیں رہی"+

ساوتری نے دیکھا کہ رنگ ڈھنگ اچھا نظر نہیں آتا۔ اُس نے پھولوں کا برتن فوراً ایک طرف سرکا دیا + ساوتری ڈر گئی۔ کہ کہیں دیوتا ناراض نہ ہو جائیں۔ اِس لئے گلے میں کپڑا ڈال کر چپ چاپ اُنہیں پرنام کر لیا + اتنی دیر میں بشو لیشور نے وہ نامکمل ہار گلے میں پہن لیا۔ پرنام کر کے جوں ہی ساوتری نے اپنا سر اوپر اُٹھایا بشو لیشور بول اُٹھا:۔

"اِدھر بھی ایک دیوتا بنگلے کا سادھیان لگائے اس بات کے منتظر کھڑے ہیں کہ اُنہیں بھی تم اسی طرح عقیدت اور ادب سے پرنام کرو گی۔ مگر اُن کی قسمت!"

ساوتری نے اپنے خاوند کے مُنہ کی طرف دیکھا۔ اُس کے دِل میں طرح طرح کے خیالات پیدا ہو رہے تھے۔ اُسے ایسا معلوم ہوا کہ مالک دو جہاں درحقیقت بشو لیشور کی شکل میں اُس کے سامنے موجود ہے + اُس کا دل بھر آیا۔ اور بشو لیشور کو پرنام کرنے کے لئے جوں ہی اُس نے اپنے گھٹنے ٹیکے۔ بشو لیشور نے اُسے سنبھال لیا اور بولا:۔

"ہیں! یہ کیا کرتی ہو؟" شرمندہ ہو کر ساوتری نے اپنا مُنہ دوسری طرف کو پھیر لیا اور بولی:۔

"کیوں؟ پرنام کرنا بھی کوئی بُری بات ہے"؟

"بے شک! اس طرح گورو چیلے کی طرح نمسکار کرنے اور آشیرباد دینے کے سلسلے سے کیا تمہیں شرم معلوم نہیں ہوتی"؟

"شرم کیوں آئے؟ دیوتا کو پرنام کرتے وقت کیسے شرم آتی ہے"؟

بشویشور غور سے ساوتری کی طرف دیکھنے لگا۔ اُس کی نظر میں کئی قسم کے جذبات ملے ہوئے تھے۔ ساوتری برداشت نہ کرسکی اُس نے فوراً اپنا سر جھکا لیا۔

بشویشور بڑی شانتی سے بولا:- "اب بھی تم وہی پہلے کی سی باتیں کرتی ہو- میں اب تک تمہارے دل کی تہ میں نہیں پہنچ سکا- اب بھی تم مجھ سے اس قدر فاصلے پر رہو گی؟ اب بھی مجھے اُتنا ہی غیر سمجھو گی"؟

اُس کی غمناک آواز سُن کر ساوتری پر بڑا اثر پڑا- وہ اُداس ہو گئی اور کہنے لگی:- "اُس سے غیر سمجھنا کیوں ہو گیا"؟

"نہیں کیوں ہوا؟ ضرور ہوا؟ تم مجھے دیوتا کہتی ہو- ذرا دیوتا کی تعریف تو کرو- یہ تو بتاؤ کہ دیوتا کیسے کیسے ہیں"؟

"جو یتیموں- محتاجوں کو پناہ دے- تکلیف زدوں کی تکلیف رفع کرے اور در بدر بھیک مانگنے والوں کو تخت پر بٹھا دے- وہ....."

یہ سُنتے ہی بشویشور نے ساوتری کو کلیجے سے لگا لیا- اور بڑی آہستگی سے بولا:- "اور جو محبت کرتا ہے- اور اُس کے بدلہ میں محبت

پانے کی خواہش کرتا ہے اُسے آدمی۔ انسان کہتے ہیں۔ اور کوئی خواہ کچھ بھی کیوں نہ کہے مگر تم ایسی بات زبان پر نہ لانا۔ اتنا نزدیک رہ کر بھی تم نے مجھے نہیں پہچانا۔ میری طبیعت سے واقف نہیں ہوئی + ساوتری! اس قدر نزدیک رہنے کے باوجود بھی کیا ہم اس قدر فاصلے پر رہیں گے"؟

ساوتری نے اپنا سر فوراً اُس کی چھاتی پر رکھ دیا۔ وہ کہنا چاہتی تھی کہ تم نے جو کچھ دیا ہے کیا میں کبھی خواب و خیال میں بھی اُس کی توقع کر سکتی تھی؟ میں آج بھی اپنے تئیں آپ کے قابل نہیں پاتی۔ جس طرح آندھی میں اُڑ کر پتّا نہ معلوم کہاں کا کہاں پہنچ جاتا ہے۔ اُسی طرح ہم لوگ بھی کبھی کے اُڑ گئے ہوتے دُنیا میں کہیں ہمارا نام و نشان تک بھی نہ ملتا۔ لیکن آپ نے بڑی مہربانی کر کے ہم لوگوں کو پناہ (جو امید سے کہیں بڑھ کر ہے) دے کر اپنے قدموں میں جگہ دی ہے +

اچانک باہر سے ایک بچّے نے پکارا "چھوٹی جی جی!"

"کالی آیا ہے" یہ کہہ کر ساوتری فوراً دوڑی + بشو لیشور دوسرے دروازے سے نکل کر اپنے کام پر چلا گیا کیونکہ ساوتری کے جاتے ہی اُسے معلوم ہو گیا تھا کہ موسی صحن میں کھڑی ہے +

کام ختم کر کے بشو لیشور ایک کتاب ہاتھ میں لئے ورق اُلٹ رہا تھا + کتاب پڑھتا نہیں تھا۔ بلکہ صرف اُسے دیکھ رہا تھا۔ اس کتاب

میں سے ستی کا وہ آخری خط نکل کر گر پڑا + خط کا نظر آنا تھا کہ لشو لیشور کے دل میں طرح طرح کے خیالات کا ہجوم آنے جانے لگا - ایک پرانے واقعہ کی یاد اُس کے دل میں تازہ ہوگئی + اُس نے اپنے دل میں خط کا سارا مضمون شروع سے لے کر آخر تک پڑھ لیا - مگر آج اس کے دل پر وہ اثر نہیں ہوا جو پہلے ہوا تھا - جن باتوں کو وہ ایک روز سراپ سمجھتا تھا - بد دعائیں خیال کرتا تھا - آج وہ آشیرباد اور نیک دعائیں معلوم ہوئیں + لشو لیشور نے سوچا کہ اس خط کو پھاڑ ڈالنا چاہئے - کیونکہ اگر کہیں خدانخواستہ یہ ساوتری کے ہاتھ میں پڑ گیا - تو بڑا غضب ہوگا - اُس کے مطالعہ سے اُس کے دل پر بڑی چوٹ لگے گی - یہ خط اُس کے دل کے زخموں پر نمک پاشی کا کام کرے گا - وہ یوں ہی اپنی بہن کے لئے رویا کرتی ہے اگر یہ خط پڑھ لے گی - تو پھر نہ معلوم کیا ہوگا + وہ یہ بات ساوتری سے چھپانا نہیں چاہتا تھا - مگر بہتری اسی میں تھی - اس لئے لشو لیشور نے جگر پر پتھر رکھ کر خط کو چاک کیا - اور شعلوں کی نذر کر دیا +

اٹھارھواں باب

آن پُورنا چاہتی تھی۔ کہ نیا سال شروع ہوتے ہی چیت کے مہینے میں نئے مندر اور دیوی کی نئی مورتی کی پرتشٹھا ہو جائے مگر بہ سبب امورِ خانہ داری اُس کی یہ خواہش پُوری نہ ہو سکی۔ پرتشٹھا کے کام کو کچھ عرصہ کے لئے ملتوی رکھنا پڑا۔ اور آخرکار یہ قرار پایا کہ لشبولیشور کی شادی کے پورے دو سال بعد جس روز اُس کی شادی ہوئی تھی۔ اُس روز مندر اور مورتی کی پرتشٹھا کی جائے۔ گردشِ گردوں ہرگز کسی کو آرام سے نہیں بیٹھنے دیتی۔ اس عرصے میں ساوتری کو ایک اور صدمہ جانکاہ برداشت کرنا پڑا۔ گنگا دیوی کو اس جہان میں کسی طرح بھی آرام اور سکونِ قلب میسّر نہ ہوتا تھا۔ اس لئے ایک روز بالکل اچانک اور خلافِ توقع اُس کا طائرِ روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گیا۔ اور اُس نے ہمیشہ کے لئے شانتی اور اطمینان حاصل کر لیا + ساوتری کے دل پر بڑی چوٹ لگی۔ پہلے تو وہ بہت روئی دھوئی۔ مگر پھر اپنے تئیں ضبط کر کے سوچنے لگی۔ کہ یہ بہت اچھا ہوا۔ کہ ماں بھی جی جی کے پاس جا پہنچی۔ وہاں دونوں بڑے آرام چین سے رہیں گی۔ ہمیں ہر طرح سے خوش اور آرام میں دیکھ کر وہ اب اپنی بدقسمت بیٹی کو

تسلّی دینے گئی ہے + یہ سوچ کر ساوتری نے رونا دھونا موقوف کر دیا +

ہری شنکر کی شادی ہو چکی ہے۔ اب وہ بڑے آنند سے اپنا گھر بار چلا رہا ہے۔ کالی کو۔ بہن کو دیکھے بغیر چین نہیں آتا۔ اس لئے وہ اکثر بشویشور ہی کے ہاں رہتا ہے + اب بھٹاچاریہ جی کے گھر کا نیا دور شروع ہوا ہے +

مندر تیار ہو گیا۔ اور اَن پورنا دیوی کی مورتی کی پرتشٹھا کر دی گئی + مارے خوشی اور آنند کے سارے گاؤں میں ایک قسم کی ہل چل سی پڑ گئی۔ لوگوں کو خیال تھا۔ کہ بشویشور کی موسی اَن پورنا اپنے روپیہ سے کوئی بڑا بھاری یتیم خانہ کھولے گی یا سدا برت قائم کرے گی۔ بشویشور کا بھی پہلے پہل یہی خیال تھا۔ لیکن اَن پورنا نے اُسے کہا:۔ "بیٹا! پرماتما کسی نہ کسی طرح کھانے کے لئے سب کو دے ہی دیتے ہیں۔ اس لئے کھانا نہ ملنے سے ہماری طرف کے لوگوں کو زیادہ تکلیف نہیں ہوتی۔ مگر جو لوگ انسان اور انسانی قوانین کے ہاتھوں ظلم رسیدہ اور آفت زدہ ہوتے ہیں۔ اُن کی تکلیف کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہوتا۔ اس لئے میں چاہتی ہوں۔ کہ میرے مال و دولت سے تم ایسا انتظام کرو۔ کہ غریب آدمی بیٹی کے قرض سے سبکدوش ہو سکیں۔ اپنی لڑکیوں کے بیاہ کے فکر سے مخلصی پا سکیں۔ میں اور کوئی پُنیہ نہیں چاہتی۔ اور کسی ثواب کی

خواہش مند نہیں ہوں ۔ صرف یہی چاہتی ہوں۔ کہ میرے دیش
کی سراسر بے گناہ لڑکیاں اپنے والدین کی مفلسی اور تنگ دستی کے
سبب ساری عمر دہکتی ہوئی آگ میں پڑ کر جلنے نہ پائیں + اگر میرے
اس روپیہ سے ایک لڑکی کی آنکھوں کے آنسو پونچھے جا سکیں تو
میں سمجھوں گی۔ کہ میرا دھن سپھل ہوا" +
لبشو لیشور نے چپ چاپ موسی کے حکم کی تعمیل کی ۔ اس کے
دئے ہوئے روپیہ سے ایک فنڈ قائم کیا گیا۔ جس کا نام "اَن پورنا
فنڈ" رکھا گیا + اَن پورنا نے لاکھ منع کیا ہزار سمجھایا کہ یہ نام مت رکھو
مگر لبشو لیشور نے اس کی ایک نہ سنی +

اس روز اَن پورنا کے مندر میں خوب بھیڑ بھڑ کا تھا۔ آنے
جانے والوں کا تانتا لگا ہوا تھا۔ کہیں محتاجوں کو خیرات دی جا
رہی تھی۔ کہیں غریبوں کو کپڑے تقسیم کئے جا رہے تھے اور کہیں
باہر سے تشریف لانے والے پنڈتوں کو نذر نذرانہ پیش کیا جا رہا
تھا + گاؤں کے لوگ ان کاموں میں خوب مصروف تھے۔ آج
سب لوگ لبشو لیشور کے سچے خیر خواہ اور معتبر بنے ہوئے تھے +
ساوتری مجسم دیوی لکشمی کی طرح اندر والے صحن میں کھانا پروسنے
میں محو تھی ۔ اَن پورنا نے اُسے کام کرنے سے باز رکھنے کی ہزار
کوشش کی۔ مگر اُس نے ایک نہ سنی اور برابر کام میں لگی رہی +
جب شام ہو گئی ۔ اور آفتاب غروب ہونے کو آیا ۔ تو اَن پورنا

اُس کا ہاتھ پکڑ کر کھانے والے کمرے سے باہر کھینچ لائی اور اُسے کہنے لگی۔ "دیوانی لڑکی! مجھے معلوم ہوتا ہے۔ کہ تو آج جان دئے بغیر نہیں ٹلے گی۔ اب ذرا دم لے لے اور کچھ کھا پی لے" + چاروں طرف چہل پہل ہو رہی تھی۔ چار آدمی آ رہے تھے چار جا رہے تھے کام جاری تھا۔ ساوتری نے اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھا۔ اور آنچل سے مُنہ پر ہوا کرنے لگی + اسی وقت کسی نے دروازہ پر آکر پکارا:۔

"اندر کون ہے؟ تھوڑا سا دیوی کا چرن امرت تو دو۔ بڑی پیاس لگ رہی ہے" +

ساوتری نے جھانک کر دیکھا۔ کہ بشویشور دروازے پر کھڑا ہے۔ اُس کا سارا بدن حلوے ساگ ترکاری وغیرہ سے لت پت ہو رہا ہے۔ اور خوب پسینہ آ رہا ہے +

جب بشویشور نے دیکھا۔ کہ وہاں اور کوئی موجود نہیں ہے۔ تو وہ مندر کے اندر چلا گیا + ساوتری اپنے آنچل سے اُس کو ہوا دینے لگی اور بولی:۔ "تم اتنی محنت کیوں کر رہے ہو"؟

"اور تم؟" یہ کہہ کر بشویشور ہنس پڑا + ساوتری اُٹھی اور جلدی سے دیوی کا تھوڑا سا چرن امرت اور ایک گلاس شربت کا لاکر خاوند کے آگے رکھ دیا + بشویشور اُسے لے کر پی گیا۔ اور پھر بڑی ملائمت سے بولا:۔ "ساوتری! کچھ یاد ہے کہ آج کیا دن ہے"؟

"ہاں" کہہ کر ساوتری ہنسی +

آج میں اس قدر مصروف ہوں - اتنے آدمیوں سے گھرا ہوا ہوں - مگر پھر بھی بار بار مجھے وہی بات یاد آتی ہے - اچھا - ساوتری! یہ تو بتاؤ کہ اگر بیاہ کے دن وہ لوگ یہ خواہ مخواہ کا جھگڑا بکھیڑا کھڑا نہ کرتے تو کیا ہوتا؟"

"یہ بات کتنی دفعہ پوچھو گے؟ اچھا ہوتا!"

"میرے لئے ہی اچھا ہوتا یا تمہارے لئے بھی کچھ ہوتا؟"

ساوتری محبت بھری آنکھوں سے بشوبیشور کی طرف غور سے دیکھ کر بولی "اس وقت میں بھی یہی سوچ رہی ہوں - لیکن اس وقت تو میں ایک بے جان چیز کے مانند تھی - مجھ میں بھلے برے کی ذرا بھی تمیز نہ تھی - اگر وہ ناحق کا جھگڑا کھڑا نہ ہوتا - اور پہلے اقرار کے مطابق میری شادی ہو جاتی - تو اس وقت میں اس کا نفع نقصان سمجھنے سے قاصر تھی - اس وقت تو میری نظر صرف اسی فائدہ پر تھی - کہ چونکہ میری ماں کا خون چوستا رہتا ہے اس سے اسے کسی طرح مخلصی مل جائے - اس وقت میرے دل میں نہ کوئی خواہش موجود تھی اور نہ کوئی امید - اور نہ کوئی امید یا خواہش پیدا کرنے کی طاقت ہی موجود تھی"۔

بشوبیشور نے آنکھیں کھول کر اس محبت بھری سنجیدہ تصویر کی طرف دیکھا - اور اپنے دل میں کہا - اگر ایسی سنیاسن - جوگن نہ ہوتی - تو اپنے گمراہ اور مردہ دل خاوند کو ایک نئی زندگی کس

طرح عطا کر سکتی"؟

بشنولیشور انہیں خیالات میں محو تھا کہ باہر سے مجسم شانتی کی تصویر اَنّ پُورنا گود میں پھول سا خوب صورت ننھا سا بچہ لے کر آئی۔ اور اُسے ساوتری کی گود میں دے کر بولی:۔

"روتے روتے لڑکے کا گلا خشک ہو گیا۔ اور تمہیں خبر تک نہیں ہوئی! ایسی ماں تو ہم نے آج تک کہیں نہیں دیکھی"!

بشنولیشور شرما کر جھٹ دوسرے دروازے سے نکل کر بھاگ گیا۔ جاتے جاتے اُس نے ایک مرتبہ حریص نگاہوں سے مندر کے اندر کی طرف دیکھا۔ تو اُسے محسوس ہوا۔ کہ اَنّ پُورنا کے مندر کی محبت بھری مُورتی ماں کی شکل میں دنیا میں محبت کی بارش برسا رہی ہے۔

عورتوں کے لئے عمدہ کتابیں

بدنصیب ۔ فرانس کے زندہ جاوید مصنف وکٹر ہیوگو کے شہرۂ آفاق ناول لے مزرابل کا ملخص جو اپنی گوناگوں خوبیوں کے باعث اکثر زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ ایک خوفناک مُجرم کی حیرت انگیز داستان جسے قید و بند کی مصائب راہ راست پر نہ لا سکیں ۔ مگر ایک پارسا کی مروت نے ایسا بے بس کیا کہ اس کی تمام زندگی ایک معصوم مگر بدقسمت لڑکی کی نگہداشت میں صرف ہو گئی ۔ اور صرف اس کی حفاظت کی فکر جنون بن کر اُسے قانون اور سُراغرسانوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے مجبور کرتی رہی ۔ بے انتہا دلچسپ ۔ پُراسرار اور موثر قصہ حجم ۴۰۰ صفحات قیمت صرف ۲

خانہ داری ۔ محترمہ محمدی بیگم صاحبہ مرحومہ ایڈیٹر تہذیب نسواں کی نہایت ہی مفید اور قابلِ عمل تصنیف جو نہایت سلیس سادہ اور دلنشین انداز میں لکھی گئی ہے۔ اس کتاب میں ۴۴ مضامین ہیں جو خانہ داری کی تمام ضروریات پر حاوی ہیں مکان باورچی خانہ ۔ خرید اجناس غلہ و اجناس کی حفاظت کھانے پینے کے متعلق مختلف قسم کی ہدایات ۔ مہمان ۔ میزبان ۔ پوشاک ۔ غسل ضبط اوقات ۔ کتب خانہ ۔ بچوں کی تعلیم و تربیت ۔ بیماری

اور اس کا علاج - زچہ خانہ - کفایت شعاری - تقریبات - خانہ داری
اخلاق - ان میں سے چند مضامین ہیں - کتاب امیروں اور غریبوں
کے لئے یکساں طور پر مفید ہے - اور کامیاب زندگی کی جانب
مستورات کی رہنمائی کرتی ہے + قیمت ۱۵؍

رفیق عروس - کتاب کیا واقعی نئی دلہن کی سہیلی ہے - جو خوشی
کے وقت ہمجولیوں کی طرح ہنسی خوشی میں شریک اور دُکھ درد کے
وقت درد مند سہیلی کی طرح مصیبت کی رفیق ہوتی ہے - ناتجربہ کاری
میں پیاری ماں کی سی بزرگانہ نصیحتیں اور زمانہ کا اونچ نیچ سکھاتی
ہے - چوتھی بار چھپی ہے - اور متعدد مفید مضامین اضافہ کئے گئے
ہیں + قیمت ۹؍

آداب ملاقات - اس کتاب میں یہ بتایا ہے کہ آج کل
مستورات کو اپنی باہمی ملاقاتوں میں کن کن باتوں کا لحاظ رکھنا
چاہئے + مہمانوں اور میزبانوں کے لئے جدا جدا وہ قاعدے لکھے
ہیں - جو اس زمانے میں مہذب و معزز گھرانوں میں برتے جاتے
ہیں - جو سب کو سیکھنے چاہئیں - اور جن کے بغیر بی بیاں بدتمیز اور
غیر مہذب کہلاتی ہیں + بار چہارم - قیمت ۶؍

نعمت خانہ - ہندوستانی کھانوں کی کتاب جس میں ادنےٰ سے
لے کر اعلےٰ تک سب کھانوں کی نہایت صحیح اور آسان ترکیبیں
لکھی ہیں اور چند مشہور انگریزی کھانوں اور بیماروں کی غذاؤں

کی ترکیبیں بھی مندرج ہیں۔ اس کے علاوہ اچار۔ چٹنیوں کی ترکیبیں بھی لکھی گئی ہیں۔ اس میں لکھی ہوئی ترکیب پر عمل کرنے سے ہر چیز نہایت عمدہ تیار ہوتی ہے۔ کئی بار خود تجربہ کرنے کے بعد ترکیب اور چیزوں کے اوزان لکھے ہیں + طبع چہارم ۸؍

حیاتِ اشرف ۔ بی بی اشرف النسا بیگم صاحبہ مرحومہ معلّمہ اوّل وکٹوریہ گرل سکول لاہور کی مبارک زندگی کے کارآمد حالات جن کو پڑھنے اور جن پر عمل کرنے سے لڑکیاں اپنے ماں باپ اور سسرال والوں کی آنکھ کا تارا بن سکتی ہیں + طبع دوم قیمت ۸؍

صفیہ بیگم ۔ ایک تعلیم یافتہ غمزدہ لڑکی کا قصہ ہے۔ جس نے نازو نعم میں پرورش اور اعلےٰ تربیت پائی۔ ماں باپ نے اُس کی شادی میں بیہودہ رسم ورواج کی پابندی کی۔ وہ بدنصیب ماں باپ کی تجویز کے مقابلے میں بول نہ سکی۔ مگر تاب غم نہ لائی اور عین شادی کے دن شدّتِ غم سے ہلاک ہوگئی۔ نہایت درد انگیز اور عبرت خیز قصہ + طبع سوم قیمت ۸؍

سگھڑ بیٹی ۔ یہ کتاب لڑکیوں کی نوعمر کھیلی ہے۔ جو ہنسی کھیل میں انہیں نصیحتیں سمجھاتی اور تمیز داری کی راہ بتاتی ہیں۔ خدا کی عبادت ماں باپ کی تابعداری۔ بہن بھائیوں کی محبت یگانوں بیگانوں کے حقوق۔ علم وہنر کے فائدے لکھنے پڑھنے کھانے پکانے سینے۔ پرونے۔ حفظ صحت وغیرہ جملہ امور خانہ داری میں

سلیقہ سکھاتی اور پڑھنے والیوں کو سگھڑ بیٹی بناتی ہے - بار چہارم قیمت ۱۲

شریف بیٹی - ایک چھوٹی سی لڑکی کا باپ مر گیا - اور ماں اس صدمے سے پاگل ہو گئی - اس کی لڑکی نے بے نظیر ہمت و استقلال سے اپنا اپنے بھائی کا اور اپنی ماں کا پیٹ پالا اور بیماریوں کا علاج بھی کیا - آخر ماں تندرست ہو گئی اور وہ لڑکی اپنی محنت اور نیکی سے نیک نام ہوئی اور امیر کبیر بن گئی ؛ بار چہارم ۱۲ر

لڑکیوں کی انشا - مولانا راشد الخیری نے یہ انشا لڑکیوں کے لئے لکھی ہے - اس میں پچاس کے قریب مختلف قسم کے خطوط ہیں - جن میں کنواری بچیوں کے لئے ضروری اور کار آمد باتیں ہیں - زبان ایسی پیاری ہے کہ خطوط بار بار پڑھنے کو دل چاہتا ہے - قیمت ۸ر

اختر النسا بیگم - ایک تعلیم یافتہ سگھڑ لڑکی کا قصہ جو اپنے باپ کی بے پروائی اور سوتیلی ماں کی دشمنی سے بری جگہ بیاہی بیاہی گئی - اور سخت مصیبتیں جھیلتی رہی - آخر اپنی تعلیم اور روشن خیالی کی مدد سے سب مشکلات پر فتح پائی + نہایت دلچسپ اور مؤثر قصہ ہے ضخامت ۲۰۰ صفحے بار سوم - قیمت ۱ر

ملنے کا پتہ دارالاشاعت پنجاب لاہور

مقبول عام پریس لاہور میں باہتمام ایم محمد اقبال مینیجر چھپا

سلسلہ کہکشاں کی تصانیف

ماہ عجم۔ ایران پر فرزندان اسلام کے تسلط کا بیان افسانے کے پیرایہ میں۔ از مولوی راشد الخیری۔ قیمت ۱۲/
فتح حسن۔ روحانیت کے متعلق ایک نہایت دلچسپ افسانہ از مولوی سید ممتاز علی صاحب۔ قیمت ۱۲/
خیالستان۔ یعنی سید سجاد حیدر بی۔ اے (یلدرم) کے غیر فانی مضامین کا مجموعہ جو مدت سے ناپید تھا۔ قیمت عہ
ثالث بالخیر۔ ایک دلچسپ ترکی ناول کا ترجمہ۔ سید سجاد حیدر بی۔ اے (یلدرم) کے سحار آفریں قلم سے۔ قیمت ۸/
چمپا اور دوسرے افسانے۔ مولانا ابو رشید عبد المجید خاں صاحب سالک بٹالوی کے مختصر افسانوں کا مجموعہ۔ قیمت عہ
راہ و رسم منزلہا۔ سالک صاحب کی بے نظیر و مستغنی عن التعریف نظموں کا مجموعہ۔ قیمت ۸/

ملنے کا پتہ

دار الاشاعت پنجاب لاہور

مطبوعہ گیلانی الیکٹرک پریس لاہور باہتمام بابو نظام الدین پرنٹر